ماہنامہ

اشرف الجرائد

حیدرآباد

اپریل، مئی ۲۰۱۲ء کا مشترکہ شمارہ

کا

حضرت مولانا قاری امیر حسنؒ رحمہ اللہ

یادگار نمبر

مدیر: مولانا محمد عبد القوی

ناشر: ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.idara.info

آئینۂ مضامین

طُوبیٰ لِمَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَحَسُنَ عَمَلُهُ	مدیر	۳
استاذی الشفیق الکریم الی رحمة الله!	مولانا محمد عبدالقوی	۷
حضرت قاری امیر حسن صاحبؒ شفقت وتواضع کے عظیم پیکر	مولانا مفتی عبدالمغنی مظاہری	۲۸
وہ جو بیچتے تھے دوائے دل............	مولانا سید احسان الدین رشادی قاسمی	۳۴
پیکرِ عجز وانکسار حضرت قاری امیر حسن صاحبؒ	مولانا احمد علی صاحب مدظلہٗ	۵۷
حضرت مولانا قاری امیر حسن صاحب مظاہریؒ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۶۲
آہ! میرے شیخ رحمہ اللہ	مولانا محمد فاروق قاسمی (اڑیسہ)	۸۰
آہ! حضرت مولانا قاری امیر حسن صاحبؒ	مفتی ناصر الدین مظاہری	۸۳
حضرت قاری امیر حسن صاحبؒ جوارِ رحمت میں	مولانا محمد اسامہ	۸۹
ایک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے	مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی	۹۵
حضرت اقدس مولانا قاری امیر حسن صاحب نور اللہ مرقدہٗ	مولانا مفتی رشید احمد سعدی	۱۰۵
حضرت قاری امیر حسن صاحب علیہ الرحمۃ	مولانا میر الیاس علی القاسمی	۱۱۲
حضرت قاری امیر حسن صاحبؒ۔ کچھ یادیں کچھ باتیں	حافظ مقصود احمد طاہر	۱۱۶
حضرت قاری امیر حسن صاحبؒ کی چند یادیں	مولانا یوسف الدین مظہر مظاہری	۱۲۲
حضرت قاری صاحبؒ کا ایک اصلاحی خطاب	مرتبہ: مولانا محمد انوار خلیل ہردوئی	۱۲۵
دس قیمتی نصیحتیں۔ برائے طلبہ عزیز	جمع وترتیب: مولانا محمد عبدالقوی	۱۳۲
دس قیمتی نصیحتیں۔ برائے مدرّسین کرام	جمع وترتیب: مولانا محمد عبدالقوی	۱۴۰
اولاد کی تربیت میں والدین کا کردار	جمع وترتیب: مولانا محمد عبدالقوی	۱۴۵
عارف باللہ حضرت قاری امیر حسن صاحبؒ کے خلفاءِ کرام	مرتبہ: مولانا مفتی عبدالمغنی مظاہری	۱۵۰

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

پیش گفتار

طُوبٰی لِمَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَحَسُنَ عَمَلُہٗ

از مدیر

مسند احمد (۴/۱۸۸) میں ہے کہ دو دیہاتی مسلمان نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان میں سے ایک نے یہ سوال کیا کہ أَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ؟ سب سے اچھا آدمی کون ہے؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: طُوبٰی لِمَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَحَسُنَ عَمَلُہٗ "مبارکبادی ہے اس شخص کے لیے جس کی عمر لمبی اور اعمال اچھے ہوں"، حضرت قاری صاحبؒ قریب سے اور غور سے دیکھنے والے ہر شخص کے نزدیک اس ارشادِ مبارک کی اس دور میں بہترین تعبیر اور عملی تفسیر کہے جا سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی لمبی عمر اور بہت پیاری زندگی نصیب فرمائی تھی، بلاشبہ ان کی زندگی لَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً کا مظہر تھی۔

یہ تو قارئین اشرف الجرائد کو معلوم ہی ہو چکا کہ استاذ الاساتذہ، شیخ المشائخ، نمونۂ اسلاف اور قدوۂ اخلاف حضرت مولانا قاری امیر حسن صاحب مظاہری رحمہ اللہ، خلیفۂ اجل شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ یکم ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۴ر فروری ۲۰۱۲ء شبِ جمعہ کی پچھلی پہر انابت وخشیت اور اذکار وادعیہ کے مستحسن شغل کے دوران اس دارِ فانی کو چھوڑ کر اپنے خدا اور رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون.

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ مستند عالمِ دین، قاریٔ کلامِ مبین، شیخِ طریقت اور معلمِ کتاب وسنت تھے، بہار کے قصبۂ سیوان میں پیدا ہوئے، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں نابغۂ روزگار اساتذہ سے علومِ دینیہ اسلامیہ کی تکمیل کی، وہیں پر فنِ تجوید وقراءت میں مہارت حاصل

کی، جامع مسجد ہردوئی میں اپنے اساتذہ کے مشورہ سے امام کی حیثیت سے تشریف لائے، پھر محی السنۃ حضرت مولانا ابرارالحق صاحب رحمہ اللہ کی خواہش پر مدرسہ اشرف المدارس منتقل ہوئے اور تادمِ واپسیں اسی ادارے سے وابستہ رہے، مستقل شیخِ طریقت اور ہزاروں معتقدین کے محبوب مقتدا ہونے کے باوجود ستر برس تک کسی اور معاصر شیخ کے ماتحت رہ کر نہ صرف کام کرنا بلکہ ایک عام ملازم کی طرح پابندِ احکام وہدایت بن کر رہنا حضرت قاری صاحبؒ کی ایک عظیم کرامت اور خلوص وللّٰہیت کی نادر علامت ہے۔

تدریس میں وہ اپنی نوعیت کے منفرد مدرس تھے، ہزاروں تلامذہ نے ان سے علم حاصل کیا، اور بڑے بڑے مراتب پر پہونچے، ان کے شاگردوں میں سینکڑوں، دین کے بڑے بڑے کام انجام دے رہے ہیں اور نام ور خدمات میں لگے ہوئے ہیں، مگر وہ شروع سے اخیر تک ابتدائی عربی وفارسی کی کتابیں ہی پڑھاتے رہے، یہ ان کی دیانت وامانت کی بات تھی کہ بڑی سے بڑی کتابیں پڑھانے کے مواقع بلکہ مطالبوں کے باوجود حق ادا کرنے کا اطمینان نہ ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کرتے تھے، جس کام کا حق ادا کرنے کا انہیں یقین نہ ہوتا وہ اس کام کو اپنے ہاتھ میں نہ لیتے تھے۔

علمِ ظاہر کی تکمیل کے ساتھ ساتھ نورِ باطن کی تحصیل کی فکر بھی شروع ہی سے لگی ہوئی تھی، طالبِ علمی ہی کے زمانے میں حضرت رائے پوریؒ سے بیعت ہوگئے تھے، ان کے وصال کے بعد برکۃ العصر اور مجمع بحارالسلاسل شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہٗ سے رجوع ہوئے، سلوک وطریقت کی اصل "خودکشی وفنائیتِ نفس کا ملکہ اور ذکر وحضوری کا مرتبہ حاصل ہوجانا" ہے، حضرت قاری صاحبؒ کو اللہ کے فضل سے دونوں مقامات بتمامہٖ وکمالہٖ حاصل تھے، اس کی شہادت اصاغر ومعاصر تو کیا ان کے اکابر نے بھی دے دی تھی۔ **ذالک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء**

ایک عرصے تک انہوں نے درس وتدریس کے لبادے میں اپنے کو مستور رکھا؛ لیکن جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا اللہ رب العزت نے انہیں شہرت کی چادر اڑھا کر عوام وخواص کا مرجع بنادیا، قبولیتِ عامہ حاصل ہوئی، ہندوستان ہی میں نہیں دنیا کے مختلف ممالک میں آپ کا فیض عام ہوا

اور آپ کے سلسلہ کے ذریعہ انشاء اللہ آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔ تمام اہلِ حق کیا علماء اور کیا عوام سب ہی ان کے قدرداں تھے اور ان سے سچی محبت رکھتے تھے ۔ یہ محبوبیتِ ارضی حدیث کے مطابق امید ہے کہ قبولیتِ عرشی ہی کا ثمرہ ہوگی ۔

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے ، درجات کو بلند سے بلندتر فرمائے ۔ آمین

اس ناکارہ —— مدیر اشرف الجرائد —— اور اس کے پورے خانوادے پر حضرتؒ کی بڑی شفقتیں مہربانیاں اور بے شمار ذرّہ نوازیاں ہیں، اس لیے اشرف الجرائد پر ان کا حق تھا کہ خصوصیت کے ساتھ ان کا تذکرہ کیا جائے ، ہمارے قارئین بھی اکابر کو پڑھنے جاننے کا ذوق رکھتے اور منتظر رہتے ہیں، اس لیے طئے پایا کہ اشرف الجرئد اپریل ومئی ۲۰۱۲ء کی اشاعت مشترک کرکے حضرت کے مختلف اہلِ قلم متعلقین کے تأثرات وتجربات اس میں یکجا کرلئے جائیں، تا کہ ایک طرف عبرت وتذکیر کا سامان ہوجائے تو دوسری جانب ایک یادگار دستاویز بھی ہوجائے ۔

جن جن لوگوں سے مجھے توقع تھی اور بروقت ذہن میں آ بھی گئے ان سے میں نے ربط کیا اور مضمون تحریر کرکے ارسال کرنے کی خواہش کی ، اکثر حضرات نے قبول کیا اور طویل یا مختصر جو ممکن ہوسکا لکھ کر روانہ فرمادیا، بعض حضرات نے معذرت بھی کردی ، وقت بھی کم تھا، مزید انتظار مشکل تھا، اس لیے بعض مطبوعہ مضامین بھی حوالوں کے ساتھ شامل کرلیے گئے ۔

حضرت قاری صاحبؒ کے ولیِ قریب ، حفیدِ عزیز اور عصائے پیری محترم مولانا قطب الدین صاحب زیدعلمہ وعملہ سے بھی ربط ہوا تھا، یہ جان کر خوشی اور مسرت ہوئی کہ وہ بجائے وقتی مضامین اور سرسری تحریروں کے مستقل کام کا ارادہ رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ حضرتؒ کی حیات وخدمات پر کتابی شکل میں مستقل اور پائیدار کام ہوجائے ، یہ کام ان کا حق بھی ہے اور کر بھی صحیح طریقے پر وہی سکتے ہیں۔ حق تعالیٰ ان کی بھرپور مدد فرمائے اور خدا کرے کہ یہ کام جلد از جلد تکمیل پاکر ہم اخلاف کے لیے سرمۂ بصیرت اور سرمایۂ عبرت ونصیحت بن سکے ۔ آمین

آخر میں قارئین کرام سے معذرت ہے کہ بہت سے احباب کی اس فرمائش کو کہ یہ عاجز حضرت قاری صاحبؒ کے بارے میں قدرے تفصیل سے لکھے ۔ اپنی مصروفیات اور کثرتِ اسفار اور اس سے بھی بڑھ کر اپنی نااہلی ونالائقی کی وجہ سے پورا نہ کرسکا۔ البتہ خانگی تعلقات اور شخصی

احسانات پر مشتمل کچھ واقعات متفرق طور پر جو ذہن میں آتے گئے سپردِ قرطاس کرکے ہدیۂ ناظرین کررہا ہوں، ممکن ہے کسی کو اس سے نفع ہوجائے ۔یہ عاجز تو اپنے مایۂ ناز وتاریخ ساز اکابرین کی کچھ قدر کرسکا نہ کچھ زیادہ سیکھ سکا۔إنما إشكو بثي وحزني إلى الله، البتہ ان بزرگوں سے سچی عقیدت وقلبی محبت ضرور نصیب ہے۔ولله در القائل

أحب الصالحين ولست منهم

لعل الله يرزقني صلاحا

دینی وعصری علوم سے بیک وقت استفادہ کا ایک جامع مرکز

معہد الاشرف (برائے دینی وعصری علوم)

الحمدللہ! ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد نے محافظینِ دین وشریعت یعنی علماءِ کرام اور جدید تعلیم یافتہ گریجویٹس کے درمیان حائل دوری اور ایک دوسرے سے استفادہ کی محرومی کو ختم کرنے کے لیے، نیز دعوتِ دین کی محنتوں کو آسان اور وسیع کرنے کے لیے ایک اہم قدم اٹھاتے ہوئے معہد الاشرف کے نام سے چار سال پہلے ایک ایسے شعبہ کا اضافہ کیا ہے جس میں انگلش میڈیم سے SSC کامیاب طلبہ کو داخلہ دے کر انٹرمیڈیٹ اور ڈگری کورسس کی تکمیل پانچ سالہ عالمیت کی تکمیل کے ساتھ کرائی جاتی ہے ۔بفضلہٖ تعالیٰ اس شعبہ کے کامیابی کے ساتھ چار سال مکمل ہوچکے ہیں اور آئندہ تعلیمی سال 13-2012ء کے جدید داخلوں کا آغاز بھی ہوچکا ہے۔تفصیلات کے لیے درج ذیل نمبرات پر رابطہ کیا جاسکتا ہے:

040-24551251 , 9848202899 , 9247555916

☆ جاری کردہ: ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ خواجہ باغ کالونی، سعید آباد حیدرآباد ☆

استاذی الشفیق الکریم
حضرت مولانا قاری امیر حسن صاحب
الی رحمۃ اللہ! *

مولانا محمد عبدالقوی
ناظم ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

اب سن ون تو بالکل یاد نہیں مگر منظر آنکھوں میں اب بھی گھوم رہا ہے کہ اب سے تقریباً پچاس سال قبل جب کہ اس عاجز کی عمر پانچ سات سال کی رہی ہوگی مدرسہ فیض العلوم میں حضرت محی السنۃ رحمہ اللہ مدرسہ کا جائزہ لینے کے لیے تشریف لانے والے تھے، گھر میں مدرسہ میں سب طرف اسی کے چرچے تھے، کھانے کا نظم چونکہ ہمارے گھر میں ہوا کرتا تھا اس کی بھی بڑی زور شور سے تیاریاں چل رہی تھیں، ایک عید اور جشن کا سماں تھا۔ والدہ نے ایک دن مجھے تیار کر کے اور ادب سلیقے کی تلقین کر کے حضرت محی السنۃؒ کی مجلس میں بھیج دیا جو بالکل بازو کے کمرہ میں چل رہی تھی۔ گفتگو کی تفصیل تو زیادہ محفوظ نہیں۔ جو منظر محفوظ ہے وہ یہ کہ ایک بڑا سا ہال جس میں بالکل نیا اور خوبصورت فرش کیا گیا تھا، درمیان میں ایک چارپائی جس پر ایک دم سفید بستر بچھا ہوا تھا، اس کے ایک طرف ٹیبل فیان رکھا ہوا تھا (جو میرے لیے بالکل نئی چیز تھی) اس چارپائی کے سامنے سفید غلاف چڑھے ہوئے گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر ایک نہایت ہی حسین وجمیل اور بارعب شخصیت

---

*اس عاجز نے اس مضمون میں شخصی وخانگی تعلقات کا ہی ذکر کیا ہے، مستقلاً حضرتؒ کی ذات وصفات سے بحث نہیں کی ہے، میں اس کا اہل بھی نہیں، البتہ ان باتوں اور یادوں میں سے بھی انشاء اللہ ان کی شخصیت جھلکے گی اور ان کی بہت سی صفات وخصوصیات نظر آئینگی، منشا بھی یہی ہے۔

تشریف فرما تھی، یہ حضرت محی السنۃ شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، ان کے سامنے چند معتبر لوگوں کی جماعت بیٹھی ہوئی تھی، میں چونکہ کم سن تھا اور کم سنوں کو گویا باریابی کا اذنِ عام یا حقِ لازم حاصل ہوتا ہے اس لیے اس شاہی دربار میں براہِ راست پہونچ گیا تھا، ان حاضرینِ مجلس میں شہ نشین کے سرہانے ایک گورے چٹے ضخیم وعظیم اور بلند قامت بزرگ تشریف فرما تھے، پائنتی کی طرف بالکل لاغر ونحیف مگر انتہائی حسین وجمیل شخصیت دوزانو اور بالکل سکڑ کر اس طرح بیٹھی ہوئی تھی جیسے بادشاہ کے دربار میں کوئی مجرم! پہلی شخصیت حضرت حبیب الحسن خان شروانی رحمہ اللہ کی تھی[۱] اور دوسری حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی۔ مجھے اس دوسرے سراپا میں بڑی کشش وجاذبیت محسوس ہوئی، انہیں کے قریب بیٹھ کر مزید قریب ہونے کی کوشش کرتا رہا، اس چھوٹی سی عمر میں اظہارِ محبت کا طریقہ کیا جانتا، بس نزدیک جا کر پیروں کو چھوتا اور انگوٹھے کو دبا کر اپنی

---

۱ حضرت شروانی صاحبؒ (۱۹۱۴-۱۹۷۳) افغانی النسل رئیس ڈھولنہ تھے، یہ علاقہ ان کی موروثی ریاست تھا، انگریزی تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود بزرگوں سے بڑا تعلق تھا، حضرت تھانویؒ کے چار خلفاء سے یکے بعد دیگرے تربیت پائی تھی، ان میں سے حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ نے خلافت بھی عطا فرمائی تھی، حضرت محی السنۃ ہردوئیؒ سے بہت قریبی تعلق تھا، اس عاجز نے بس اسی سفر حیدرآباد میں پہلی اور آخری دفعہ انہیں دیکھا، کم سنی کے باوجود ایک خدمت کا تین دن تک موقعہ ملا، حضرت شروانی صاحبؒ ان دنوں صرف چنے کے آٹے کی ایک عدد روٹی کھاتے تھے، یہ آٹا ان کے ساتھ ایک ڈبے میں تھا، ایک روٹی کی بقدر آٹا خود اپنے ہاتھ سے نکال کر دیا کرتے تھے، والدہ پلیٹ دے کر بھیجتیں تو میں لے کر آتا تھا، اس خدمت کا فائدہ یہ ہوا کہ جس دن واپسی ہورہی تھی اور سب لوگ موٹر میں بیٹھ چکے تھے، میں مجمع کے بیچ میں سے جھانک کر یہ منظر دیکھ رہا تھا، اتنے میں حضرت کی نظر پڑ گئی اور موٹر سے اُتر کر قریب آئے، بہت لحیم شحیم بلند وبالا قد کے آدمی تھے، مجھے اٹھا کر سینے سے لگایا، محبت کے کلمات فرمائے اور دعائیں دی۔ **الحمد للہ و لا فخر**. کافی عرصہ کے بعد جب میں فیض العلوم میں پڑھتا تھا استاذِ محترم حضرت حافظ اسحاق صاحب مدظلہٗ اپنے ساتھ ڈھولنہ لے گئے تھے، وہاں حضرت شروانی صاحبؒ کی حویلی، مسجد اور ان کی ریاست کے باقیات دیکھنے اور تفصیلات جاننے نیز حضرت حکیم اختر صاحب مدظلہٗ کا لکھا ہوا رسالہ ''حیاتِ شروانی'' پڑھنے کا موقعہ ملا تو اندازہ ہوا کہ ان کا مقام ومرتبہ اہل اللہ کی نظر میں کتنا بلند تھا۔ اس عاجز کو اپنی قسمت پر ناز ہوتا ہے مگر اس میں اپنا کوئی کمال نہیں، حق تعالیٰ کا فضل وکرم اور میرے والد ماجدؒ کی دین کی خاطر کی جانے والی قربانیوں کا صدقہ ہے کہ آنکھوں کو بڑے بڑے اللہ والے اس وقت سے دکھتے رہے جب سے کہ یہ آنکھیں دیکھنے کے قابل ہوئیں۔ کاش کہ اتباع کی توفیق بھی ہوجائے۔ **وما ذالک علی اللہ بعزیز**.

طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتا رہا، انہوں نے پہلی دفعہ تو پلٹ کر دیکھا، پیٹھ پر ہاتھ پھیرا، اپنے پاؤں سمیٹ لیے اور اسی طرح مجسمۂ تہذیب وادب بنے بیٹھے رہے۔ خیر! میں تھوڑی دیر بیٹھ کر وہاں سے سرک لیا، پھر کیا ہوا معلوم نہیں۔ حضرت محی السنہ کے چندروزہ اس قیام میں حضرت قاری صاحب بہت کم نظر آئے، ممکن ہے امتحانات میں مصروف کر دئے گئے ہوں، البتہ روانگی کے دن کا ایک واقعہ اور یاد رہ گیا، وہ یہ کہ مدرسہ والوں نے کوئی رقم حضرت محی السنۃ رحمہ اللہ کو پیش کی، (کرایہ وغیرہ ہوگا) حضرت نے اسے اپنی صدری میں اندرونی جیب میں رکھا، پھر وہ صدری حضرت قاری صاحب کو یہ کہتے ہوئے دی کہ ''قاری صاحب! آپ اس پر نظر رکھیں'' پھر مسکراتے ہوئے حضرت شیروانی صاحب سے فرمایا ''ہم قاری صاحب پر نظر رکھیں گے'' سب لوگ ہنس پڑے، مجھے ان جملوں کی حقیقت وحلاوت بہت بعد میں ملی۔

یہ تھی حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی اپنی یادداشت کے مطابق سب سے پہلی زیارت وملاقات کی ایک دھندلی سی جھلک! اور آخری ملاقات اس وقت مقدر ہوئی جب کہ آپ اِسی سال حج سے قبل حیدرآباد تشریف لائے ہوئے تھے، صحت انتہائی ناساز اور ضعف ونقاہت قابلِ رحم حد تک تھی، معلوم ہوا کہ ملاقات سے بھی منتظمین نے ممانعت کر رکھی ہے، طبیعت ملنے کو مضطرب تھی، ادھر میرا سفر بھی تھا، فجر کے بعد ہمت کر کے قیام گاہ پہونچا، کوئی بھی نہ تھا، بھائی سعید احمد صاحب انجینئر چائے پلا رہے تھے، سلام کر کے خاموش بیٹھ گیا، حضرت آنکھیں بند کر کے چائے نوش فرما رہے تھے، سعید بھائی نے زور سے نام لے کر اطلاع دی تو متوجہ ہوئے، آنکھ کھول کر دیکھا، آواز نہیں نکل پا رہی تھی، چائے کی پیالی جو ہاتھ میں تھی وہ میری طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا ''یہ آپ پی لیجئے'' میں فوراً ہاتھ بڑھا کے لے لیا اور پینا شروع کر دیا، بہت ہی نحیف وناتواں آواز میں فرمایا ''مولانا قاسم نانوتویؒ ایک گھنٹہ پہلے سے نماز کی تیاری فرماتے تھے، آخر کچھ تو کرنا پڑتا تھا ہوگا، آج ہم نماز کا اہتمام نہیں کرتے'' ایک دو باتیں اور فرمائیں جو سمجھ میں نہ آسکیں، بے جوڑ سی تھیں، پھر خود ہی فرمایا ''بول بھی نہیں پا رہے ہیں ضعف بہت ہوگیا ہے'' میں نے عرض کیا: حضرت! آرام فرمائیں، آپ کی زیارت بھی بہت کافی ہے، کہا اچھی بات ہے، پھر دعائیں دیتے ہوئے رخصت فرمایا۔ ''آپ بہت کام کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو

قبول فرمائے، فیض کو عام فرمائے، اللہ تعالیٰ حاسدوں سے حفاظت فرمائے اور آپ کی مدد فرمائے'' اور بھی چند کلمات فرمائے جو آواز کی پستی کی وجہ سے سنائی نہیں دئے، لیکن یہ دعائیں کیا کم نعمت تھیں؟ ایک تو تبرکِ حسی یعنی پس خوردہ عطا فرمایا، دوسرے اپنی مقبول و مستجاب دعاؤں سے سرفراز فرمایا، جس کی گذارش کی بھی اس پیرانہ سالی اور ناتوانی کی حالت میں مجھے تو ہمت نہ تھی، طبیعت باغ باغ اور قویٰ مضبوط ہو گئے، سچ عرض کرتا ہوں کہ وہ دن یوم العید کی طرح گذرا، سعید بھائی خاص مدرسہ آ کر مجھے ان دعاؤں پر مبارک باد دے گئے۔ **فالحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات.**

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ سے اس عاجز کی وہ پہلی ملاقات تھی تو یہ آخری ملاقات، اس کے بعد پھر نہ اس مبارک سراپا کو دیکھ سکا اور نہ ہی وہ بابرکت آواز سن سکا۔ ان دونوں ملاقاتوں کے درمیان تقریباً نصف صدی پر محیط عرصہ ہے، جس میں ان کی نوازشوں، مہربانیوں، تعلیم و تربیت، تنبیہ و تادیب، خفگی و خوشنودی کا اور اپنی غفلتوں و ناقدریوں کا ایک لمبا سلسلہ ہے جس کے تذکرے کو فرصت اور یکسوئی یا پھر برکتِ وقت و سلیقۂ ضبط کی دولت چاہئے، جو شامتِ اعمال سے مجھے میسر نہیں ہے۔ پھر ان کی صفاتِ عالیہ اور مقاماتِ رفیعہ پر تو مقربینِ بارگاہ اور اولیاء آگاہ ہی کلام کر سکتے ہیں۔ میں ذیل میں چند بیتے ہوئے واقعات کے تذکرہ پر اکتفا کرتا ہوں۔

○ جیسا کہ میں نے عرض کیا پہلی زیارت تو بہت کم سنی میں ہوئی تھی، اس کے بعد سے برابر ہوتی رہی، جب میں مدرسے میں پڑھنے لگا تو تقریباً ہر سال ہی حضرت قاری صاحب امتحان کے لیے تشریف لاتے تھے، حفظ شروع ہونے کے بعد کئی مرتبہ میں نے بھی حضرت کو امتحان دیا، امتحان بہت ادب سے لیتے تھے، ایک زانو بیٹھے ہوتے، ایک پیر کھڑا ہوتا، گھٹنے کے اوپر قرآن مجید کو سہارا دے کر بہت خشوع و خضوع اور غایتِ احترام سے صفحات پلٹاتے اور مکمل تجوید کی رعایت کے ساتھ کوئی آیت پڑھ کر سوال فرماتے۔ ایک دفعہ پہلی منزل کے امتحان میں پہلے پارے کا سوال **فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ** سے، دوسرے پارے کا **يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ** سے، تیسرے پارے کا یاد نہیں، چوتھے پارے کا **يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي أَوْلَادِكُمْ** سے کیا تھا، پورا صفحہ سنتے تھے، طالبِ علم دور بیٹھا ہوتا تھا، پورے امتحان میں نظر اٹھا کے اس کی طرف ایک دفعہ

بھی نہیں دیکھتے تھے، بغیر اس کی طرف دیکھے ہی سوالات فرماتے، نتیجہ لکھ لیتے اور روانہ کردیتے تھے۔ کم سن اور نوعمر بچوں سے یہ غایت احتیاط تمام اولیاء اللہ کی شان ہے۔ حضرت قاری صاحبؒ تو یوں بھی بہت ہی باحیا اور شرمیلی طبیعت کے حامل تھے۔ اس میں معلّمینِ مکاتب و مدارس کے لیے بڑی عبرت ہے۔

○ جس سال میرا حفظِ قرآن مکمل ہوا مدرسہ فیض العلوم میں اسی سال شعبۂ عالمیت کا پہلی دفعہ آغاز ہوا اور خوش نصیبی یہ کہ اس شعبے کے لیے حضرت محی السنۃؒ نے حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کا عارضی تبادلہ فرمادیا تھا، دارِ قدیم میں مدرسہ کی قدیم گیٹ سے متصل ایک چھوٹے سے حجرہ میں حضرت کا قیام اور اسی سے متصل ایک بڑے حجرے میں عربی سالِ اوّل کی جماعت ہوا کرتی تھی! حمد باری، فارسی زبان کا قاعدہ، عربی زبان کا قاعدہ، عربی صفوۃ المصادر وغیرہ سب حضرت قاری صاحبؒ ہی پڑھایا کرتے تھے، میں بارہا عرض کرتا رہتا ہوں کہ وہ پڑھاتے کیا تھے گویا گھول کے پلادیتے تھے۔ سبق سناتے وقت طالبِ علم ذرا رکتا تو آگے کا جملہ خود ہی بول دیتے تھے، ان کو ہر کتاب از بر تھی، اب یہ ان کی کرامت ہی کہی جاسکتی ہے کہ ان ہی کی مدد سے سنایا ہوا یہ سبق بالکل پختہ اور حافظے میں محفوظ ہوجاتا تھا۔ میں نے بارہا اس کا تجربہ کیا، دیگر ساتھی بھی یہی محسوس کرتے تھے۔

○ کھانے کا انتظام اس قیام کے دوران ہمارے گھر ہی میں تھا، کھانا کھلانے کی خدمت کا موقعہ ملتا رہتا ہے، حضرت قاری صاحبؒ کی شروع ہی سے بہت کم غذا تھی، اس زمانے میں جب قویٰ مضبوط اور صحت بہت اچھی تھی تب بھی مختصر سا کھانے کھاتے تھے جو تعجب انگیز تھا، کوئی فرمائش اور خواہش نہیں تھی، البتہ ایک دفعہ جمعہ کے دن مجھ سے پوچھا آج کیا دن ہے؟ پھر خود ہی فرمایا: **الیوم یوم الجمعة.** اس کے بعد فرمایا جمعہ کے دن گوشت پک جایا کرے تو اچھا ہے، سبحان اللہ! سال بھر میں کل ایک فرمائش وہ بھی دین کی نسبت سے، یعنی خواہشاتِ نفسانیہ کا کوئی دخل عمل ہی نہیں، جو کام تھا جو عادت تھی اور جو پسند تھی وہ سب دین اور سنت کی نسبت سے تھی، للّٰہیت کے جذبے سے تھی۔ کیا ٹھکانہ ہے اس اخلاص وللّٰہیت کا؟

○ قیامِ حیدرآباد کے دوران اتوار کے دن تبلیغی جماعت کے ہفتہ واری اجتماع میں

شرکت کے لیے مرکز تشریف لے جانے کا اہتمام تھا، حضرت رائے پوریؒ اور حضرت شیخ الحدیث کی نسبت سے آپ کو اس کام سے اور نظام الدین کے اکابر کو قاری صاحبؒ سے خاص تعلق تھا، اخیر زمانے میں تو مرکز نظام الدین اور مرکز حیدرآباد کے بہت سے اکابر حضرت قاری صاحبؒ ہی سے روحانی طور پر وابستہ ہوگئے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ اسی قیامِ حیدرآباد کے زمانے میں تبلیغی جماعت کا ایک بڑا اجتماع بارکس میں ہوا تھا، حضرت قاری صاحب بھی اس میں تشریف لے گئے، مرکز کے اکابر سے بھی ملاقات ہوئی، اور حضرت مولانا انعام الحسن صاحب رحمہ اللہ انہیں اپنے ساتھ اسٹیج پر لے گئے، اپنے بیان میں حضرت کا تعارف کراتے ہوئے ان کے قیام حیدرآباد کو غنیمت سمجھنے اور فائدہ اٹھانے کی برسرعام تاکید فرمائی تھی، حالانکہ حضرت قاری صاحبؒ جماعتوں میں باقاعدہ وقت لگاتے بھی نہیں تھے۔اس سے جہاں حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے مقام ومرتبے کا اندازہ ہوتا ہے وہیں اکابرینِ تبلیغ کے اعتدالِ مسلک ومشرب کو بھی سمجھا جاسکتا ہے۔

○ حضرت قاری صاحبؒ علماءِ کرام کا بہت احترام فرمایا کرتے تھے، دارالعلوم، مظاہر علوم اور ندوۃ العلماء کے اساتذہ اسی طرح مشائخِ دیوبند سے وابستہ حضرات سے بڑی محبت ہی نہیں ان کی انتہائی تکریم بھی فرمایا کرتے تھے، یہی معاملہ ان علماء اور بزرگوں کی جانب سے حضرت کے ساتھ ہوتا تھا۔حیدرآباد میں علماء کی تشریف آوری ہوتی تو حضرت قاری صاحب میرے والدِ ماجد اور بعض دیگر لوگوں کو لے کر ان کے بیان میں شرکت اور ملاقات کے پروگرام بناتے تھے، انہیں اسٹیشن پر کبھی لینے کے لیے کبھی رخصت کرنے کے لیے بھی پہونچ جاتے تھے، کئی دفعہ یہ عاجز بھی ساتھ رہا۔ ایک واقعہ اس سلسلہ میں یادآ گیا جو سبق آموز ہے، دارالعلوم دیوبند کے استاذ حضرت مولانا انظر شاہ صاحب رحمہ اللہ[1] ان دنوں حیدرآباد تشریف لائے تھے اور مدرسہ کے قریب ہی نواب باقر صاحب زید مجدہٗ کے بنگلے میں مقیم تھے، مدرسہ میں کوئی خطاب نہ ہوا تھا۔ چند دن بعد حضرت قاری صاحب نے اپنے کمرے میں بتلایا کہ حضرت ناظم صاحب (محی السنۃؒ) کا مراسلہ آیا ہے کہ مولانا کا بیان مدرسہ میں کیوں نہیں ہوا؟ الفاظ تقریباً یہ تھے:

---

[1] میں نے اس وقت علامہؒ کو ایک دفعہ بنگلے کے سامنے بعد فجر تیز گامی کے ساتھ چہل قدمی کرتے ہوئے دیکھا تھا، اس وقت دبلے اور چھریرے بدن کے تھے۔ بعد میں بار بار دیکھا اور سنا بھی، **فالحمد للہ علی ذالک**

’’خارجاً مسموع ہوا ہے کہ مولانا انظر شاہ صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند حیدرآباد آئے اور نواب صاحب کے ہاں قیام رہا، تعجب ہے کہ آپ وہاں ہیں، پھر بھی مولانا کا مدرسہ میں کوئی بیان نہیں ہوا‘‘۔

اس مواخذہ کا حضرت قاری صاحب پر اثر رہا۔ اس واقعہ میں حضرت محی السنۃؒ کی وسعتِ ظرفی اور بالغ نظری بھی قابل توجہ ہے، بالخصوص ان لوگوں کے لیے جو بزرگوں کو قریب سے زیادہ دیکھے اور مزاج کو پرکھے بغیر ہی اپنے تصور وتخیل سے ان کے مزاج کی تعیین بلکہ اسی کی تشہیر کرنے لگتے ہیں۔

○ حضرت محی السنۃؒ کے ہاں حفظِ مراتب بہت تھا، مواخذہ ومطالبہ گو ہر ایک سے کرتے تھے مگر مرتبوں کی رعایت کے ساتھ کرتے تھے، یہ بہت ہی نازک کام ہوتا ہے، ایک دفعہ حضرت قاری صاحب حیدرآباد تشریف لائے اور صحت ناساز تھی، حضرت حیدرآباد میں بہت اچھے رہتے تھے، آب وہوا کو اپنے مزاج کے مطابق بتلاتے تھے، اسی نسبت سے میں نے عرض کیا: حضرت! اب آپ حضرت ناظم صاحب سے کہہ کر حیدرآباد ہی تبادلہ کرالیجئے، یہاں آپ کی صحت نسبتاً اچھی رہتی ہے، حضرت قاری صاحب نے تکئے کے نیچے سے ایک پوسٹ کارڈ نکالتے ہوئے فرمایا ’’میرا جی بھی یہی چاہتا ہے مگر حضرت میرے ساتھ ضابطے کا تعلق نہیں رکھتے ہیں، اگر ایسا کرتے تو میں ایک ملازم ہوں، درخواست دے دیتا اور کہیں بھی چلا جاتا، دیکھو! ابھی واپسی میں کچھ تاخیر ہوگئی تو حضرت کا یہ خط آ گیا ہے، خط مجھے دیا، اس میں لکھا ہوا تھا:

’’مکرمی قاری صاحب زید لطفکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہاں شدت سے آپ کی کمی محسوس ہورہی ہے، آپ کب تک واپس تشریف لائیں گے؟‘‘ والسلام ابرارالحق

خط سنانے کے بعد حضرت قاری صاحب فرمانے لگے ’’اب بتاؤ، گئے بغیر چارہ نہیں ہے، حضرت یہ کہتے کہ مزید رخصت نہیں ملے گی، تو میں بھی ضابطے کا جواب دے سکتا تھا، مگر اب فوری ٹکٹ بنوا رہا ہوں‘‘ خیر! یہ تو حضرت قاری صاحبؒ اپنی باتیں ہم لوگوں سے محبت کی وجہ سے سنا دیا کرتے تھے مگر اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان حضرات نے ایک دوسرے کے احترام اور حقِ

مرتبہ کی رعایت میں کتنے کڑوے گھونٹ پیے ہوں گے اور کتنی تلخیوں کو چکھا ہوگا ؟ اس کے باوجود حاضراً وغائباً ایک دوسرے کے خیر خواہ تھے۔ ذاتیات پر ملت کے مفاد کو مقدم رکھتے ہوئے حضرت قاری صاحبؒ کی اشرف المدارس میں تقریباً پون صدی کی خدمات طرفین کی وسعتِ ظرفی، عالی حوصلگی اور کمالِ اخلاص کے وہ تابندہ نقوش بن گئیں جو اہلِ نظر سے مخفی نہیں۔

○ اس ایک سال کے بعد حضرت قاری صاحب بھی ہردوئی واپس ہوگئے، یہاں شعبۂ عالمیت بھی بند ہوگیا اور ہم لوگوں کے لیے ہردوئی روانگی تجویز ہوئی۔ ہردوئی پہونچ کر پھر حضرت قاری صاحبؒ کی شاگردی نصیب ہوگئی۔ حضرت قاری صاحب عمر بھر ابتدائی جماعتوں ہی کو پڑھاتے رہے، ان کے مقام ومرتبہ اور علمی استعداد و تدریسی پختگی کے مدِنظر انتہائی جماعتوں تک تدریس کے مواقع بلکہ مطالبے تھے، مگر قاری صاحب کبھی اس کے لیے آمادہ نہ ہوئے، البتہ جو کچھ پڑھاتے تھے دلجمعی بلکہ دلسوزی سے پڑھاتے تھے، لگ لپٹ کے پڑھاتے تھے، طالبِ علم کو پڑھنا ہو یا نہ ہو، حضرت کو پڑھانا ضرور تھا۔ ہفتہ بھر تو پڑھاتے ہی تھے جمعہ کے دن بھی ناغہ گوارا نہ تھا، اس دن بھی اسباق پورے کر لیتے تھے۔ ایک سال مدینہ منورہ میں قیام کے بعد جب واپس تشریف لائے تو روزمرہ کی گفتگو میں عربی محاورے اور عربی جملے بولتے بھی تھے یاد بھی کراتے تھے۔ گنتی بھی خوب رٹاتے تھے۔ پھر ان کا پڑھانا نرا پڑھانا نہیں تھا۔ وہ معلم خشک کے بجائے مربی مشفق ومہربان بھی تھے، شاگردوں کو نماز کی تاکید، اس کی پابندی کی نگرانی، سنن ونوافل کی مشق اور دیگر اخلاقِ حسنہ کی تاکید وتلقین لازماً ومستمراً فرمایا کرتے تھے۔

○ ہردوئی میں میری صحت ناساز ہوئی تو معالج نے واپس حیدرآباد بھیج دینے کی رائے دی، حضرت قاری صاحب کا سفر حیدرآباد طئے تھا، نائب ناظم صاحب نے مجھے ان کے ہمراہ کردیا، میرے پاس ایک صندوق اپنے سامان کا تھا اور ایک بستر، ایک ساتھی نے اپنا صندوق گھر پہونچانے کے لیے میرے حوالے کردیا تو میں نے بستر اس میں رکھ لیا، اس طرح دو صندوق میرے پاس ہوگئے، حضرت قاری صاحب[1] نے رکشے پر سامان رکھواتے وقت میرا سامان دیکھ لیا

---

[1] جنہوں نے مدت العمر کوئی الماری تو کیا کپڑے رکھنے کے لیے ایک صندوق بھی اپنے پاس نہ رکھا تھا، تکئے کے غلاف سے کام چلا لیا کرتے تھے۔

اور بہت خفا ہوئے کہ تم طالب علم ہو یا کاروباری؟ اتنا سامان طلبہ کے پاس ہوتا ہے؟ ہردوئی سے لکھنؤ پہونچے، لکھنؤ سے حیدرآباد۔ پورے راستے مختلف موقعوں اور وقفوں سے حضرت اس مسئلے کو اٹھاتے اور اپنی اور اپنے ساتھیوں کی سادگی اور بے سروسامانی کے ساتھ پڑھنے کے واقعات سناتے رہتے۔ یہاں تک کہ مدرسہ پہونچ کر والدِ ماجد سے بھی ذکر فرمایا، لیکن ان کی اس خفگی میں بڑی شفقت تھی، خیر خواہی، دلسوزی اور دردمندی اس قدر نمایاں تھی کہ اس ڈانٹ ڈپٹ میں ناگواری وگرانی تو کیا ہوتی مزہ آتا رہا۔ اور بڑی عبرت ونصیحت ملتی رہی۔ اپنی طالبِ علمی کے واقعات، سفرِ حج کی سادگی کا واقعہ وغیرہ بہت کچھ سنایا تھا۔ فرمایا کہ مجھے طالبِ علمی کے زمانے میں ایک قرآن مجید خریدنے کی ضرورت ہوئی اور قیمت معلوم کی تو ایک روپیہ بتلائی گئی۔ میں نے اس کے لیے سو دن تک مظاہر علوم کی گیٹ پر دربانی کی۔ فی یوم ایک پیسے کے حساب سے انعام ملا تو اس ضرورت کی تکمیل کر سکا۔ وغیرہ

○ والدِ ماجدؒ سے خاص تعلق تھا، جس وقت والدِ ماجدؒ کالج کی تعلیم ترک کر کے دینی تعلیم کے لیے ہردوئی پہونچے تھے، حضرت قاری صاحبؒ وہاں بحیثیت مدرس تشریف فرما تھے، والدِ ماجدؒ تو نوجوان تھے ہی، حضرت قاری صاحب کا سن بھی سبزہ آغاز ہی تھا،[1] والدِ ماجد پڑھنے کے ساتھ دفتر کے کام بھی کرتے تھے، نورانی قاعدہ والد صاحب کو حضرت نے ہی پڑھایا تھا، مگر والد صاحب کے طریقِ تدریس پر انہیں بہت اعتماد تھا، اپنے متعلقین کو سختی سے تاکید کرتے تھے کہ مولوی عبد الغنی صاحب سے قرآن مجید پڑھنا سیکھ لیں۔ ہر سفر میں کچھ نہ کچھ ہدیہ ضرور عطا فرماتے تھے، بیماری کے زمانے میں بھی ہر سفر میں وقت نکال کر گھر تشریف لاتے، تھوڑی دیر کے بعد رفقاء کو باہر بھیج کر بہت خلوص سے مالی تعاون فرماتے تھے۔ میری ایک بہن مطلقہ ہے اس کے بارے میں ضرور پوچھتے اور علاحدہ امداد فرمایا کرتے تھے۔ یہ سلسلہ والد صاحب کے انتقال کے بعد بھی قائم تھا کہ ہم لوگوں کے ذریعے والدہ اور بہن کے لیے ہر سفر میں کچھ نہ کچھ نوازش فرمادیا کرتے

[1] جب تک والد ماجد کا قیام ہردوئی میں رہا، دونوں ہم نوالہ وہم پیالہ بھی تھے، گاڑھی چھنتی تھی، والدہ فرماتی ہیں کہ حضرت قاری صاحب کا کھانا بوجہ گھر والے ساتھ نہ ہونے کے مطبخ سے جاری تھا اس لیے والدِ ماجد اپنے گھر سے کھانا لے جا کر دونوں وقت حضرت قاری صاحب کے ہمراہ ہی کھاتے تھے، رات میں دس دس بجے تک محفل جمتی تھی اور سیکھنا سکھانا ہوتا رہتا ہے، والدِ ماجد کے ساتھ اس تعلق کا حضرتؒ نے ہمیشہ خیال رکھا۔

تھے۔ یہ ایک مثال ہے ورنہ ان کی خفیہ نوازشات اور اہلِ تعلق کی فکروں کے واقعات بے شمار ہیں، آج زبانی ہمدردی بھی ایک دوسرے کو مشکل سے مل رہی ہے، تعلق والوں کا دل وجان سے خیال رکھنا آسان کام نہیں ہے، بلند حوصلہ وبلند کردار لوگوں ہی کی شان ہوسکتی ہے۔

○ والدِ ماجدؒ سے خانگی مسائل معلوم کرتے رہتے اور بچوں کی شادیوں کے سلسلہ میں خود بھی فکر فرماتے تھے، والدِ ماجد کے تذکرہ میں لکھ چکا ہوں کہ بڑی بہن کے لیے رشتے کا انتخاب حضرت قاری صاحب ہی نے فرمایا تھا، اور محض نماز کے خشوع وخضوع کی بنیاد پر فرمایا تھا، دوسری چوتھی اور پانچوی بہن کی شادیاں بھی حضرت قاری صاحب ہی کے مشورہ اور سرپرستی میں ان کی ہدایات کے مطابق انتہائی سادگی سے سرانجام پائے، یہ سب خیر وبرکت کے ساتھ مستقل خاندان بن گئے ہیں۔ صرف ایک رشتہ ہم لوگوں نے جمایا اور راور اہتمام سے شادی کی مگر بتقدیرِ الٰہی ٹوٹ گیا۔ قاری صاحبؒ نے اگرچہ جھٹ پٹ اس طرح کروادئے کہ سنبھلنے سوچنے کا موقع بھی نہیں دیا مگر ان کی دعا وتوجہ سے سب پھل پھول رہے ہیں۔ ان کی دعاؤں میں بڑی برکت تھی۔

فجزاھم اللہ احسن الجزاء

○ والدِ ماجدؒ ایک حادثے میں زخمی ہوگئے تھے، طویل علالت کے بعد ہم لوگوں نے کام سے انہیں روک لیا تھا، حیدرآباد میں ان کا اپنا کوئی مکان نہ تھا، شروع ہی سے مدرسہ کے مکان میں رہتے تھے، اسی میں رہ رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ مدرسہ کا مکان مدرسہ کی مصالح کے لیے ہوتا ہے، منتظمین مدرسہ تخلیہ کراکے کسی اور کو الاٹ کرنا چاہتے تھے، یہ تجویز مرکز ہردوئی پہونچی، اور حضرت محی السنۃ رحمہ اللہ نے مخصوص احباب کو مشورہ کے لیے طلب کیا، ان میں حضرت قاری صاحب بھی شامل تھے، حضرت کے علاوہ دیگر حضرات نئے تھے، غالباً والد صاحب کے احوال اور قدیمی خدمات سے باخبر نہ ہوں گے۔ یہ بات حضرت قاری صاحبؒ نے مجھ سے خود فرمائی اور میں نے بھی انتظامی معاملات کی وجہ سے اب تک کسی سے نہیں کہی، مگر حضرت قاری صاحبؒ کے مخلصانہ احسانات کے ضمن میں اب لکھدوں تو خلافِ مصلحت نہیں ہوگا، حضرت نے فرمایا کہ ''سب لوگوں نے یہی رائے دی کہ جب کام نہیں کررہے ہیں تو اصولی طور پر مکان خالی کروالینا چاہیے مگر مجھ سے رہا نہ گیا، میں اگرچہ انتظامی لائن کا آدمی نہیں اور حضرت کے سامنے رائے دینے

کا مزاج بھی نہیں مگر میں نے صاف طور پر عرض کیا کہ حضرت! یہ کیا بات ہے؟ ایک آدمی آپ کی وفاداری میں جوانی سے بڑھاپے تک پہونچ گیا، اب کام کے قابل نہیں رہا، آپ اس کو تنخواہ نہیں دیتے تو نہ دیں مگر مرنے تک سر چھپانے کو ٹھکانہ تو دیں'' چنانچہ حضرت محی السنۃؒ نے یہی فیصلہ فرمایا۔ سبحان اللہ! خلوص ووفا وہ بھی علی ظہر الغیب کی عجیب مثال ہے۔

○ یہی نہیں کہ ایک غائبانہ حمایت پر اکتفا کرلی بلکہ اس کے بعد جب حیدرآباد تشریف لائے تو والد صاحب سے معلوم کیا کہ آپ نے جو پلاٹ خریدے تھے ان کا کیا ہوا؟ والد صاحب نے بتلایا کہ اب ان کا ملنا مشکل ہے، بظاہر کوئی شکل نہیں ہے، یہ سن کر بہت متفکر ہوگئے، اپنے بعض متوسلین کے ذریعے متعلقہ سوسائٹی سے ربط کیا، نامہ وپیام کا سلسلہ چلاتے رہے، سوسائٹی کے ذمہ دار سے خود ملے، ترغیب دی، خوشامد کی، اتنی فکر اور سعی کی کہ ہم لوگ بھی نہیں کرسکتے تھے، یہاں تک کہ اسے اس پر آمادہ کرلیا کہ پوری نہ سہی جتنی بھی جگہ دینا چاہیں دیدیں، اپنی موجودگی میں اس سے زمین نپوا کر اسی وقت باؤنڈری کا کام شروع کروادیا، اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے، آج والد صاحب کے ترکہ میں وہی ایک قطعۂ ارض ہے جو حضرت قاری صاحب کا رہینِ منت اور یادگارِ احسان ہے۔ یہ بھی ایک مثال ہے ورنہ اپنے متعلقین کی پریشانیاں دور کرنے کے سلسلہ میں اُن سے جو تدبیر ہوسکتی اور جس کے ذریعے کام نکل سکتا انتہائی فکر واہتمام کے ساتھ اس کی مدد میں لگ جاتے تھے۔ ابھی انتقال سے چند دن قبل ہی کی بات ہے کہ برادرم مفتی سبیل احمد صاحب حیدرآباد میں کئی دن کے لیے مقیم تھے، اور جگہ جگہ نظر آرہے تھے، میں نے وجہ دریافت کی تو یہی بتلایا کہ حضرت قاری صاحب کے حکم سے یہاں ٹھہرا ہوا ہوں۔ فلاں صاحب کا ایک غیر مسلم کے ساتھ کورٹ میں کیس چل رہا ہے، حضرت چاہتے ہیں کہ مصالحت کے ذریعے یہ مسئلہ حل ہوجائے۔ اور غالباً ہو بھی گیا تھا۔ خدا جانے ان کے اعمال نامے میں ایسے کتنے حسنات ہوں گے اور کتنے ہاتھ ان کے بعد ان کے لیے دن رات اٹھے ہوئے ہوں گے۔ دیکھنے میں ایک بوریہ نشین وعزلت گزین فقیر اور کارنامے وہ جو اچھے اچھے سماجی خدمت گذاروں سے بھی نہ ہوسکیں۔

○ توجہات اور احسانات کا یہ سلسلہ والدِ ماجدؒ کے علاوہ ان کی اولاد (ہم لوگوں) پر بھی ہمیشہ قائم رہا، جب بھی ملاقات ہوتی بہت شفقت ومحبت ہی نہیں اکرام کا معاملہ فرماتے تھے،

ہر دوئی حاضری ہوتی اور آپ موجود ہوتے تو کمرہ پر بُلا کر کچھ نہ کچھ کھلاتے پلاتے، کبھی موقع نہ ہوتا رقم دے دیتے کہ راستے میں کچھ کھالینا، کوئی اور موجود ہوتا تو اپنی شاگردی کے حوالہ سے تعارف کراتے اور خدمات کا بھی ذکر کرتے، ہمارا غائبانہ ذکر ہوتا تو بھی فرمادیتے کہ ہمارے شاگرد ہیں، کام کررہے ہیں وغیرہ، یہ سب اصلاً والدِ ماجدؒ سے ان کے دیرینہ اور محبانہ تعلقات کا ثمرہ تھا، ورنہ ہماری کیا حیثیت؟

ایک دفعہ مدینہ منورہ میں تنہا تھا، قدیم مسجد میں نماز ادا کرنے کے ارادہ سے کوشش کر کے اندر پہونچا، حضرت قاری صاحبؒ کی اکثر نمازیں مسجدِ نبوی کے سب سے قدیم حصے میں ادا ہوتی تھیں، حضرت وہاں نظر آ گئے تو میں قریب جا کر بیٹھ گیا، معمولات سے فارغ ہوئے تو وہ بھی بہت خوش ہوئے اور کچھ نصیحتیں فرماتے رہے، پھر معلوم کیا کہ پہلی دفعہ آئے ہو؟ میں نے عرض کیا ایک دفعہ اور صرف چند گھنٹوں کے لیے آسکا تھا، یہ سن کر فرمایا: اچھی بات ہے میں دکھاتا ہوں مسجد، پھر اس قدیم مسجد کے ایک ایک گوشے میں لے گئے اور اس کی تاریخی نسبتیں بتلاتے رہے، ستونوں کا تعارف کرایا، اس سے متعلقہ واقعات سنائے، دروازوں کے پاس لے گئے اور ان سے متعلقہ معلومات دیں، صفہ پر لے گئے اس کا تعارف کرایا، پھر ہاتھ پکڑ کر باہر لائے، پوچھا: احد پہاڑ جانتے ہو؟ میں نے لاعلمی ظاہر کی، فرمایا: یہ بالکل سامنے جو پہاڑ نظر آرہا ہے یہی احد ہے۔[1]

پھر حضرت اپنی قیام گاہ لے گئے جو غالباً دارالخیر کے نام سے مولانا خیر محمدؒ کی موقوفہ عمارت تھی، اس کی بالائی حصے پر ٹین کا ایک بڑا اشیڈ بنا ہوا تھا جس میں ایک طرف مطبخ اور اس سے متعلقہ اسباب رکھے ہوئے تھے، دوسری جانب بہت بڑی قالین بچھی ہوئی تھی، درمیان میں ایک چارپائی پر بہت ہی معمر بزرگ لیٹے ہوئے تھے، حضرت نے بہت ہی احترام سے ان سے ملاقات کی، پھر مجھے بھی ملوایا اور ادب سے نیچے بیٹھ گئے، میں بھی بیٹھ گیا، فوراً دسترخوان لگا اور قسم قسم کے کھجور اور مختلف النوع اطعمہ چن دئے گئے، لوگ آتے تھے، سلام کرتے اور دسترخوان سے مستفید

[1] اس وقت تک اصل میں مدینہ منورہ کے مبارک اور عاشقانہ ماحول پر مصنوعی سلفیت کا مکروہ غبار نہیں چھایا تھا، یہ سب زیارتیں بہت اطمینان سے ہورہی تھیں، اللہ پاک پھر ایک دفعہ مدینے منورہ میں خشکیت کا خاتمہ کر کے عشق ووفا کا ماحول عام فرمادے۔ آمین

ہوکر چلے جاتے، کسی کے لیے کوئی روک ٹوک نہ تھی، بلکہ یوں لگا کہ بعض لوگ بس اسی قدر کام کے لیے آتے ہیں۔ حضرت قاری صاحب نے بتلایا کہ یہ شب وروز کا سلسلہ ہے، میں نے حضرت قاری صاحب سے چپکے سے پوچھا ان کے پاس آتا کہاں سے ہے؟ حضرت نے زور سے ان بزرگ سے دریافت کیا یہ ہمارے شاگرد پوچھ رہے ہیں کہ آپ کے ہاں یہ سب آتا کہاں سے ہے؟ انہوں نے فرمایا: مجھے بھی پتہ نہیں، بس اتنا دیکھ رہا ہوں ادھر سے آرہا ہے اور ادھر سے جارہا ہے۔ یہ بزرگ حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ کے خاص خادم تھے، حضرت قاری صاحبؒ نے بعد میں ان کے بارے میں بہت تفصیل سے بتلایا اور بہت اونچے مقامات کا تذکرہ کیا، جس کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں۔ مجھے صرف یہ بتلانا ہے کہ اتنی بڑی شخصیت کا اپنے ایک معمولی شاگرد اور خادم کو لے کر اس قدر نوازشیں اور احسانات فرمانا اتنا وقت لگانا اور اس قدر گھومنا کیسی محبت اور شفقت کا پتہ دیتا ہے۔

○ نکاحوں میں سادگی پر بہت زور دیتے تھے، جو ان سے مشورہ کرتا اس کے لیے نکاح اتنا ہی آسان ہوتا جتنا عہدِ صحابہ میں آسان تھا، ان کو بھنک بھی لگ جاتی کہ رشتہ طئے ہورہا ہے تو طرفین کو بلواکر نہ صرف طئے کراتے بلکہ اکثر نکاح بھی کروادیتے تھے۔ اپنی بہنوں کے سلسلے میں تجربے تو تھے ہی، ابھی چند دن قبل کا واقعہ ہے کہ میرے بہنوئی بچی کے سلسلہ میں مجھ سے مشورہ کرنے کے لیے آئے، ساتھ میں لڑکے کے والد کو بھی لائے، وہ بھی میرے تعلق والے تھے، مشورہ میں یہ طئے پایا کہ رشتہ مناسب ہی رہے گا، میرے بہنوئی گھر گئے، والدہ سے ذکر کیا، انہوں نے کہا: حضرت قاری صاحب موجود ہیں ان سے بھی مشورہ کرلو، میرے سامنے بات آئی تو میں نے کہا لڑکے والے کچھ اعذار کی وجہ سے تھوڑا وقت چاہتے ہیں اور آپ کو بھی ابھی جلدی نہیں ہے، یا تو یہ امور طئے پانے کے بعد حضرت سے ذکر کردو یا ابھی کرنا ہے تو پھر فوراً نکاح کرنے کے لیے تیار ہوکر جاؤ، انہوں نے کہا کہ صرف دعا کی خواست کے لیے جانا ہے، ابھی فوراً تو نکاح مشکل ہے۔ یہاں عصر بعد آئے تھے، وہاں مغرب بعد پہونچے، عشاء کے بعد یہ خبر لے کر آئے کہ حضرت نے فرمایا ہے میں پرسوں صبح جارہا ہوں، کل عصر بعد نکاح ہوجائے گا۔ مزید کچھ کہنے سننے کا موقعہ نہ تھا، یہ لوگ کوئی بھی عذر بتلاتے حضرت اس کا حل فرمادیتے، اگلے دن نکاح ہو ہی گیا۔ اس طرح خدا

جانے اپنی عمر میں انہوں نے کتنے نکاح کروادئے اور کتنے والدین کا بوجھ ان کی بدولت ہلکا ہوگیا۔

نکاحوں میں اس قدر سادگی کے اہتمام سے بہت فوائد ہیں، حقیقت میں آج اس سلسلہ کے جتنے مسائل ہیں اور اس کے لیے لکھا جارہا ہے ان سب کے مقابلے میں نکاح میں جلدی کرنا، کم خرچ کرنا اور تکلّفات سے بچنا کامیاب حل ہے۔ بہت عرصہ قبل کی بات ہے جب حضرت کا قیام حیدرآباد تھا، ان کے ایک شاگرد نے نکاح پڑھانے کی درخواست کی، حضرت نے شرط رکھی کہ بارات نہیں جائے گی، لڑکی کے گھر صرف پانچ آدمی جائینگے، کوئی دعوت اور تکلف نہیں ہوگا، مطالبات نہیں ہوں گے، ولیمہ سنت کے مطابق سادگی سے کیا جائے گا تو میں نکاح پڑھاؤنگا۔ مخلص لوگ تھے، سب مان گئے، حالانکہ ان کے والد محکمۂ پولیس کے آفیسر تھے، نکاح اسی طرح ہوا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اسی ہفتہ اس محلّے میں سات لڑکیوں کے اور نکاح ہوگئے، لوگوں نے کہا جب اتنے بڑے آفیسر اس سادگی کے ساتھ شادی کرسکتے ہیں تو ہمارے پاس تو ہے بھی نہیں، ہم کیوں اپنی بچیوں کی عمر خراب کریں؟

○ اس سلسلہ میں حضرت کسی کی رعایت نہیں فرماتے تھے، اپنی دی ہوئی ہدایات دوسرے لفظوں میں شرعی احکامات کی ادنیٰ خلاف ورزی گوارا نہ تھی، بعد میں کوئی خلاف ورزی معلوم ہوجاتی تو نظرانداز نہ فرماتے بلاکر سخت تنبیہ کرتے، اس قدر خفا ہوتے کہ عمر بھر یاد رہ جائے، دوسروں کے واقعات کو چھوڑ کر یہاں بھی شخصی واقعہ پر اکتفا کرتا ہوں، دوسری بہن کا نکاح تھا حضرت ہی کی سرپرستی میں، دولہے کے ساتھ اس کے دوچار گھر والوں کو کھانا کھلاکر دلہن کو رخصت کردینا طئے پایا تھا، اس زمانے میں میں پرانے شہر کی ایک مسجد میں امامت کرتا تھا، حضرت قاری صاحبؒ کی زیارت اور بیان میں شرکت کرانے کی غرض سے مسجد کمیٹی والوں کو مدعو کرلیا تھا، انہوں نے ازراہِ خلوص اصرار کیا کہ ہم تو امام صاحب کے ہاں کھانا کھاکر ہی جائینگے، ایسا موقعہ پھر تھوڑا ہی ملے گا، میں نے بھی بعض مصالح کے تحت مناسب یہی سمجھا کہ ان لوگوں کی بات رکھ لی جائے اور کھانے پر بلالیا۔ حضرت کو علم ہوا تو کمرہ پر مجھے اور برادر محترم مفتی صاحب کو بلاکر اس قدر خفگی و ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ بیان سے باہر ہے، میں نے کچھ کہنا بھی چاہا تو حضرت نے فرمایا یہ سب کچھ نہیں تم لوگوں کو ہدایت کی خلاف ورزی کی جرأت ہی کیسے ہوئی؟ اسی وقت واپسی کا سفر بھی

درپیش تھا، ہم نے معافی مانگی، منت سماجت کی کہ درگذر فرمادیجئے، آئندہ کبھی ایسی غلطی نہ ہوگی۔ بعد میں خط وکتابت کے ذریعہ معاملہ صاف ہوا۔ عرض کرنا یہ ہے کہ اپنوں کا حضرتؒ حق سمجھتے تھے کہ ان سے غلطی منوا کر اس کی اصلاح کئے بغیر نہ چھوڑیں، چشم پوشی ونظر اندازی آسان کام ہیں، تربیت مشکل کام ہے۔ آج شخصی حق تلفیوں پر ناراض ہونے والے تو بہت ملیں گے مگر دینی غیرت اوراسلامی حمیت میں اللہ کے لیے خفا ہونے والے کم سے کم ہوگئے۔ **فالی اللہ المشتکٰی**

○ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی سب سے ممتاز صفت تواضع وعبدیت کی صفت ہے، ہر ایک کی زبان وقلم پر آپ اس کا ذکر ضرور پائینگے، تواضع کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ پورے ملک میں اپنے متعلقین کی دعوت پر سفر فرماتے رہتے تھے مگر اکثر تن تنہا سفر ہوتا تھا، نہ سامان کی بہتات نہ خادم کی ضرورت، جہاں جاتے انہیں کوئی رخصت کرکے چلا جاتا تھا اور اگلی منزل پر کوئی لینے آجاتا تھا، اخیر زمانے میں البتہ خدام ومتعلقین کی طرف سے زبردستی کوشش کی جاتی رہی کہ کوئی نہ کوئی ساتھ ہو۔ اسباب کی زیادتی سے بہت گھبراتے تھے، ان کے کمرہ میں بھی سامان بس ایک مسافر خانہ سے زیادہ نہ تھا، یا تو کتابیں تھیں، یا پھر انتہائی ضرورت کے اسباب ہوا کرتے تھے، ایک مرتبہ میں نے مدینہ منورہ میں مسجد سے آتے ہوئے ایک دوکان پر متوسط قسم کا رومال خریدا جو عمدہ پیکنگ میں تھا، ان دنوں ناشتہ حضرت کے ساتھ ہی ہورہا تھا، ناشتے کے بعد ہدیہ پیش کیا تو لے لیا مگر دیکھ کر فرمایا: یہ بہت قیمتی معلوم ہوتا ہے، میں اس قابل کہاں؟ آپ کے لیے ہی اچھا رہے گا۔ میں نے عرض کیا: آپ کی شان کے لحاظ سے کچھ بھی نہیں ہے قبول فرمالیں، تو دعائیں دیں اور سرہانے رکھ لیا۔ پورے خاندان پر اپنے ہزاروں احسانات کے باوجود بھی ایک چھوٹی سی خدمت کا مستحق اپنے کو نہ سمجھا اور بڑی مشکل سے گوارا فرمایا، یہ کس قدر عجیب شان ہے کہ ہزاروں بندگانِ خدا جس کو دیکھنے ملنے اور قدم چومنے کو ترستے ہوں وہ ایک معمولی سے رومال کے بارے میں یہ کہہ دے کہ میں اس کے قابل کہاں؟ اور یہ چیز حضرتؒ میں تکلف وتصنع کے قبیل سے ہرگز نہ تھی، ان کی طبیعتِ ثانیہ بن گئی تھی۔

○ طبعی طور پر یکسوئی پسند تھے، الجھنوں اور بکھیڑوں سے بہت گھبراتے اور دور رہتے تھے، ابتداءً انہیں حضرت محی السنۃؒ نے مدرسہ اشرف المدارس میں انتظامی ذمہ داری سونپی تھی، چند ہی

دن میں انہوں نے محسوس کرلیا کہ یہ ذمہ داری نبھنی والی نہیں، ایک اہل اور موزوں شخصیت حضرت مولانا بشارت علی صاحب رحمہ اللہ کو آمادہ کر کے حضرت ہردوئی رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کیا، اپنی ذمہ داری انہیں دلوا کر خود یکسو ہوگئے اور تدریس و تعلیم کو اپنا مشغلہ بنالیا، کبھی حضرت نائب صاحبؒ ان سے کسی انتظامی الجھن کی شکایت کرتے یا مشورہ فرماتے تو حضرت قاری صاحبؒ فرمادیا کرتے تھے کہ یہ جھمیلے میرے بس کے ہوتے اور سنبھل سکتے تو آپ کے حوالے کیوں کرتا؟ آج عہدوں اور مناصب کے لیے دینی اداروں اور معتبر حلقوں میں تک کیا کچھ ہورہا ہے کسی سے مخفی نہیں، یہ کیسے باخدا لوگ تھے اور کیسی دیانتدارانہ ہستیاں کہ ملے ہوئے مناصب کو خوش اسلوبی اور خندہ دلی سے خود ہی دوسروں کے حوالے کررہے ہیں، واقعی حضرتؒ کو نہ مال ومنال کی خواہش تھی نہ جاہ وجلال کی ہوس! عمر بھر کُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْبٌ کے مصداق بنے رہے۔

○ درمیان میں ایک سال جب کہ ان کے شیخ حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے تھے حضرت قاری صاحبؒ بھی مدینہ منورہ پہنچ گئے تھے، وہاں کے بعض مقامی رئیس لوگ حضرت سے کافی متأثر تھے، کسی نے حضرت کے لیے اقامے کی سہولت دلوانے کا پیش کش کیا تو حضرت بہت خوش ہوگئے اور اپنے شیخ کی معیت میں رہ جانے، اس سے بھی بڑھ کر اپنے محبوب نبی کے محبوب دیار میں قیام کر لینے کا ارادہ فرمالیا، ایک عام مسلمان بھی اس سعادت کو چھوڑ نہیں سکتا تھا، کسی عاشقِ رسول کو کب گوارا ہوتا؟ مگر جب حضرت شیخ الحدیثؒ کو علم ہوا اور انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا کہ ''پیارے! میں تو یہاں مرنے کو آیا ہوں، تمہارے تو ہندوستانی مسلمان زیادہ مستحق ہیں، وہیں جا کر دین کی خدمت میں لگ جاؤ'' تو شیخ کے حکم کو اپنی تمنا پر ترجیح دیتے ہوئے بہ خوشی واپس ہو کر حسبِ سابق مدرسہ اشرف المدارس میں رجوع بکار ہوگئے۔ ان کی یہ بے نفسی اور اطاعتِ شیخ بھی کیسی سبق آموز ہے!

○ آپ کی طبیعت میں غیر معمولی شرم وحیا تھی، کہا جاسکتا ہے کہ کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ باحیا تھے، کسی کی طرف نظر بھر کے دیکھتے بھی نہیں تھے، نہانے دھونے حتی کہ لباس کے بدلنے میں بھی بے حد احتیاط برتتے تھے، وہ عربی جبہ پہنتے تھے، اس کے ساتھ کمرہ میں تہبند باندھے ہوتے اور باہر نکلتے وقت پاجامہ استعمال کرتے تھے، عام طور سے ایسے وقت ایک طرف کو

ہوکر پاجامہ پہن ہی لیا جاتا ہے مگر تہبند باندھتے یا پاجامہ پہنتے وقت بھی بے چین رہتے ، غایتِ حیا کی وجہ سے دوسرے کمرے میں یا پردہ کے پیچھے چلے جاتے تھے ، ایسا موقع نہ ملتا تو طبیعت پر غیر معمولی گرانی وشرمندگی کے آثار نظر آتے تھے ، حد یہ ہے کہ مرنے کے بعد دوسروں سے غسل وکفن میں بے احتیاطی کا اندیشہ بھی انہیں شرمندہ کرتا تھا ، معلوم ہوا کہ مولوی قطب الدین صاحب کو اس سلسلہ میں تاکید فرمائی تھی کہ میں عمر بھر بہت حیا سے رہا ہوں غسل وکفن میں اس کا خاص خیال رکھنا۔

○ حضرت قاری صاحبؒ سے اس عاجز کی طالبِ علمی کے زمانے میں خط وکتابت بھی ہوتی رہتی تھی مگر ان خطوط کی حفاظت کا اہتمام نہیں رہا ، اپنے کاغذات میں چند خطوط قدیم وجدید مل گئے ، حضرتؒ کے بعض جوابات ہدیۂ ناظرین کرکے اپنا قلم روکتا ہوں ، تاکہ حضرت والا کی ذرّہ نوازیوں اور مقامِ عبدیت کا کچھ اندازہ ہوسکے۔

۱) چوتھی بہن کا نکاح حضرت والا کی نگرانی میں بڑی عجلت میں طئے پاکر بہت ہی سادگی سے تکمیل بھی ہوگیا تھا اور حضرت والا اس کے معاً بعد ہردوئی روانہ ہوگئے تھے ، میں نے بذریعہ خط حضرت کا شکریہ ادا کیا ، نیز اپنی آنکھ کے آپریشن کے سلسلہ میں دعا کی درخواست بھی کی ، دونوں باتوں کے سلسلہ میں جواب ارقام فرمایا جو غایتِ تواضع وشفقت کا عکاس ہے۔

''عزیزم سلّمہٗ زید رشدہٗ [۱] السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط کل موصول ہوا ، پڑھ کر اور خیریت معلوم کرکے سکون ہوا ، آپ نے انتہائی محبت سے یاد کیا ، فجزاک اللہ خیرا ، یہ ناکارہ تو کچھ نہیں ہے ، آپ کے اور والدین کے حسنِ ظن اور خلوص کی وجہ سے حق تعالیٰ نے مجھے بہانہ بنا کر اس عقد کی صورت کردی ، ورنہ مجھے بھی خود حیرت ہوئی کہ اس قدر سادگی کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہونچی ، لڑکے کے خاندان والے بھی حیرت میں رہ گئے کہ اتنی عجلت ، سہولت اور اتباعِ سنت کے ساتھ ہوگیا۔ بہرحال مالک کے نزدیک کوئی کام مشکل نہیں ہے۔ آپ کے آپریشن کا حال معلوم ہوا ، دل وجان سے دعاگو ہوں کہ حق

---

[۱] حضرتؒ کے ہر خط پر چاہے مستقل ہو یا جواباً سب سے اوپر ''از بندہ امیر حسن ، اشرف المدارس ہردوئی'' لکھا ہوتا تھا اور اس کے بعد تاریخ بھی مرقوم ہوتی تھی۔

تعالیٰ راحت وسکون سے سارے کام کرادے آمین، جب آپریشن کے لیے جائیں تو پہلے دو رکعت نماز پڑھ کے دعا کرلیں اوریا اللہ یا رحمن یا رحیم کا ورد رکھیں۔ انشاء اللہ قلب میں چین وسکون محسوس ہوگا۔''

۲) ایک اور بہن کے نکاح میں حضرت نے کچھ دیر بیان فرمایا تھا، میں نے اس کو نوٹ کرکے حضرت والا سے ماہنامے کے ذریعہ اشاعتِ عام کی اجازت چاہی اور تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا، اس کے جواب میں جو کچھ تحریر فرمایا ان کی فنائیتِ نفس اور عجز وانکسار کا شاہکار ہے۔

''عزیزم سلّمہٗ زید علمہ وعملہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

''آپ نے اور والد صاحب نے انتہائی محبت وخلوص سے یاد کیا ہے جس کا یہ ناکارہ مستحق نہ تھا، مزید برآں آپ نے اس ناکارہ کے بیان کو شائع کرنے کی اجازت چاہی ہے تو عرض ہے اس ناکارہ کا بیان اشاعت کے لائق نہیں، اس لیے کہ کوئی ربط بھی نہیں ہوتا، کہیں کچھ کہیں کچھ، ادھر ادھر کی باتیں سنا دیتا ہوں، ایسا (بے ترتیب) مضمون آپ کے رسالہ کے مناسب نہیں معلوم ہوتا، غور کرلیں، محترم والد صاحب سے مشورہ کرلیں، جہاں تک اجازت کا تعلق ہے اگر نافع ہو تو اجازت کی ضرورت نہیں ہے، باقی میرے جیسے انسان کے بیانات اشاعت کے کیا قابل ہو سکتے ہیں، اس لیے کہ نہ علم ہے نہ عمل تو کسی پر کیا اثر ہوگا؟''

۳) حضرت کی اہلیہ محترمہ کے وصال پر تعزیتی عریضہ ارسال کیا تو جواب میں ارقام فرمایا:

''عزیزم سلّمہٗ زید علمہ وعملہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا نوشتہ عنایت نامہ کل صبح موصول ہوا جو مشتمل بر تعزیت تھا، اور تسکینِ قلب کا باعث ہوا، فجزاک اللہ خیرا، آں عزیز نے اپنی محبت اور اخلاص سے یاد کیا اور مرحومہ کے لیے ایصالِ ثواب ودعائے مغفرت کا اہتمام کیا، یہ میرے اوپر بہت بڑا احسان ہے، حق تعالیٰ آں عزیز کو دین ودنیا کی ترقیات سے مالا مال کرے، آمین۔ مدرسہ کو قائم ودائم رکھے اور اخلاص سے خدمت کی توفیق دے کر فیض کو عام وتام کرے، آمین۔ یہ ناکارہ بھی دعاؤں کا محتاج ہے، دعا کریں کہ اپنے

وقت پر حسنِ خاتمہ کی توفیق ہو، آمین۔ والدین سے سلام اور دعا کے لیے کہیں، میں سب کے لیے دعا گو ہوں۔''

۴) جب اس عاجز نے دارالعلوم حیدرآباد سے رسمی طور پر نصاب کی تکمیل کر لی تھی، ان دنوں حضرت قاری صاحبؒ کی خواب میں زیارت ہوئی، حضرت شکوہ فرما رہے تھے کہ ''تم مجھ سے ملنے کیوں نہیں آئے؟'' احقر نے اس خواب کو اور تکمیلِ نصاب کی خوشخبری کو تحریر کر کے یہ عرض کیا تھا کہ میرے یہاں تک پہونچنے میں آپ کی پڑھائی ہوئی ابتدائی کتب ہی مددگار رہیں، ورنہ بعد کی تعلیم تو وقفے وقفے سے اور بے ڈھنگے طریقے پر تکمیل پاتی رہی، اس شفقت واحسان کا شکریہ میں کسی طرح ادا نہیں کرسکتا، عریضے کے آخر میں کچھ نصیحت کی بھی درخواست کی تھی، اس کے جواب میں حضرت کی جو تحریر موصول ہوئی ہر پڑھنے والا شرم سے پانی پانی ہو جائے گا۔

''عزیزم سلّمہٗ، زید علمہ وعملہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ سب حالات آپ کے محبت وخلوص کا ثمرہ ہیں، ورنہ یہ ناکارہ تو کچھ نہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، یہ قدم اٹھتے نہیں اٹھائے جاتے ہیں، باقی سب آپ کا حسن ظن ہے ورنہ اپنا حال تو ظاہر ہے، بس حسنِ خاتمہ کے لیے اور زندگی میں اللہ کی مرضیات کے اتباع کی توفیق کے لیے دعا فرمادیں۔

اس ناکارہ نے تو جوانی اور غفلت میں آپ کو ڈانٹ ڈپٹ بہت کیا ہے، زیادتی بھی ہوئی ہوگی، اس وقت اب یاد بھی سب باتیں نہیں ہیں، البتہ یہ یاد ہے کہ روک ٹوک ضرور کرتا تھا، خدا تعالیٰ معاف کرے، آپ بھی سب درگذر کردیں۔ دل سے دعا گو اور دعا جو ہیں۔ میں آپ کو کیا نصیحت کروں جو خود محتاجِ نصیحت ہوں۔ باقی تعمیلاً وہ نصیحت کر دیتا ہوں جو حضرت حکیم الامتؒ نے مفتی محمد شفیعؒ کو فرمائی تھی یعنی'' انسان اپنے سفر اصلی اور وطن اصلی سے غافل نہ رہے'' والد صاحب سے سلام کہیے اور دعا کی درخواست بھی۔ والسلام امیر حسن''

۵) احقر کو علاقے میں حضرت قاری صاحبؒ کے ساتھ ایک سہ روزہ سفر میں شریک رہنے کا موقعہ ملا، اثناءِ سفر جو بیانات ہوئے اس کو میں نے نوٹ کرلیا تھا، جسے مرتب کر کے ''حسن

الامیر فی الوعظ والتذکیر‘‘ کے نام سے شائع کیا، اس کے کچھ نسخے خدمتِ مبارکہ میں ارسال کئے تو میل وشارم کے معتکف سے یہ تحریری جواب موصول ہوا۔

’’عزیزم سلّمہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بندہ بفضلہٖ تعالیٰ آپ کی دعا سے پہلے سے بہتر ہے، یہ بس آپ کے حسنِ ظن کا ثمرہ ہے (ورنہ) میری باتیں کہاں ایسی تھیں کہ شائع کی جائیں، آپ نے جمع کرکے شائع کردیا، جس کا وہم وگمان بھی مجھ کو نہ تھا، حق تعالیٰ آپ کے فیض کو عام وتام کرے، زیادہ سے زیادہ نفع مخلوقِ خدا کو ہو آمین، خوشی ہوئی، دعا کرتا ہوں، یہاں ساڑھے بارہ سو کا مجمع ہے جو میرے پاس آتے ہیں انہیں پیش کردیتا ہوں، جزاک اللہ خیر الجزاء فقط والسلام‘‘

مختصر وقفے میں اس میں دو باتیں سمجھنے کی ہیں، ایک تو یہ کہ حضرتؒ اپنے کلام کے بجائے میرے جمع کرنے کی طرف نسبت کرکے میرے فیض کے عام وتام ہونے کی دعا فرمارہے ہیں، کیا ٹھکانا ہے اس فنائیت کا، ایک ایک جملہ پڑھ کر شرم سے ڈوب مرنے کو جی چاہتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ میں نے زحمت کے خیال سے صرف سو نسخے بھیجے تھے، وہاں کے مجمع کا اندازہ بھی نہ تھا، مخصوص لوگوں کو بھی دیتے تو ناکافی ہوتے مگر مزید ضرورت کا کوئی اشارہ کئے بغیر صرف مجمع کی تعداد رقم فرمادی، حالانکہ اس فرمائش کا انہیں پورا حق حاصل تھا مگر یہ حضرات سوال کیا شبہِ سوال سے بھی کوسوں دور رہتے تھے۔

۶) ایک دفعہ حضرت حیدرآباد دومرتبہ تشریف لائے اور احقر دونوں موقعے میں سفر پر تھا، ملاقات نہ ہوسکی، ملاقات نہیں ہوتی تو اکثر دیگر متعلقین سے پوچھ لیتے تھے کہ کہاں ہے؟ بعد میں دوتین حضرات نے یاد فرمائی کی اطلاع مجھے دی تو میں نے ایک معذرت نامہ بذریعہ ڈاک بھیجا، حضرت والا نے جواباً ارقام فرمایا:

’’عزیز محترم! زید علمہ وعملہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون آپ کا پرچہ پڑھ کر خیریت وکیفیت سے آگاہ ہوا، آپ کے جملہ مقاصدِ حسنہ کے لیے دل سے دعا گو ہوں اور اپنے لیے دعا جو ہوں، آپ

بالکل فکر نہ کریں، معذرت کی بھی ضرورت نہیں، میں خوش ہوں کہ دینی خدمات میں لگے ہوئے ہیں، حق تعالیٰ مزید ترقیات سے نوازے اور ہر قسم کے شر فتنے سے حفاظت فرمائے اور قبول فرمائے آمین۔ والسلام امیر حسن''

جی چاہتا ہے کہ اس مضمون کا اختتام حضرت قاری صاحبؒ کے دعائیہ کلمات پر ہی کر دوں، وھی ھٰذہ:

اے اللہ! ہمیں اپنا صحیح اور قوی تعلق نصیب فرما، اے اللہ! ہمیں حسنِ نیت اور حسنِ عمل کی توفیق نصیب فرما، اپنے اپنے وقت پر اکمل ایمان پر خاتمہ نصیب فرما، آج ہماری طبیعتوں سے ماننا نکل گیا ہے، نہ باپ کی مان رہے ہیں نہ ماں کی مان رہے ہیں، نہ استاذ کی مان رہے ہیں نہ پیر کی مان رہے ہیں، مان رہے ہیں تو اپنے نفس کی مان رہے ہیں جو سب سے بڑا دشمن ہے، اے اللہ! ہمیں نفس وشیطان کے مکروفریب سے محفوظ فرما، اپنی مرضیات کے اتباع کی توفیق نصیب فرما۔

آمین برحمتک یا ارحم الراحمین.

نعمتوں کی قدر

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں کہیں جا رہا تھا، میرے پاؤں میں جوتا نہیں تھا، میرے دل میں خیال آیا کہ میں کس قدر پریشان حال ہوں، مجھے پاؤں میں پہننے کے لیے جوتا تک نصیب نہیں ہے۔ اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ سامنے سے ایک شخص سرینوں کے بل گھسٹتے ہوئے چلا آ رہا ہے، اسے پیر ہی نہیں ہیں۔ اس کو دیکھ کر مجھے بڑی عبرت ہوئی، میں نے کہا: خدایا تیرا شکر ہے میرے چلنے کے لیے تو نے مجھے دو پیر تو دئے ہیں۔ اس بے چارہ کے پیر بھی نہیں۔ (ماخوذ از ملفوظات حضرت قاری صاحبؒ)

حضرت قاری امیر حسن صاحبؒ

شفقت وتواضع کے عظیم پیکر

مولانا مفتی عبدالمغنی مظاہری
ناظم مدرسہ سبیل الفلاح حیدرآباد

عالمِ اسلام کے مسلمانوں نے بڑے رنج وغم کے ساتھ یہ خبر سنی ہے کہ جمعہ کی شب آخری ساعتوں میں شفقت وتواضع کے پیکر اور معرفت، محبت، فنائیت کے مجسم حضرت اقدس قاری امیر حسن صاحبؒ اس عالم فانی سے رخصت ہوکر عالم باقی کی طرف منتقل ہوگئے۔ حضرت نہایت نیک صفت بے حد متواضع پیدائشی ولی تھی۔ دنیا اور اس کی رنگینوں سے بہت دور، بس اللہ کے عشق میں اور اس کے رسول ﷺ کی محبت واطاعت میں مست رہتے تھے۔ صوبہ بہار کے ضلع سیوان کے متوطن تھے، جامعہ مظاہر علوم سہارن پور سے علومِ دینیہ عالیہ کی تعلیم حاصل کر کے سندِ فراغت حاصل کیا۔ دورانِ طالبِ علمی ہی سے تصوف وسلوک اور باطن کی تربیت کی فکر غالب تھی، چنانچہ اس وقت کی مشہور خانقاہ رائے پور کے بزرگ عالی قدر حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ سے بیعت ہوکر باطنی دولت کے حصول میں لگ گئے، پھر قطب عالم شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ سے تعلق قائم کر کے سلوک کی منزلیں طئے کرنے لگے، حضرت شیخ ہی نے آپ کو بیعت کی اجازت اور خلافت سے نوازا، مظاہر علوم سے فراغت کے بعد اپنی صالحیت، صلاحیت، روحانیت کے اعتبار سے محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحبؒ کے مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی میں تدریسی خدمات سے وابستہ ہوگئے۔ ''ولی را ولی می شناسد'' کا محاورہ صادق آیا، چنانچہ حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ حضرت محی السنہ کو دل وجان سے چاہتے اور بے حد قدر کرتے تھے، اور

حضرت محی السنہ بھی آپ سے محبت فرماتے اور ہر معاملہ میں آپ کا خیال ولحاظ رکھتے تھے۔آپ کے اخلاص ،تقویٰ،کسرِنفسی بلکہ بے نفسی کی قدر فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت محی السنۃ شاہ ہردوئی نے بھی آپ کو اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا۔اس وقت سے لے کر آخر دم تک اس مدرسہ کی خدمات سے وابستہ اور متعلق رہے۔۱۹۴۴ء سے ۲۰۱۱ء تک لگ بھگ ۷۰ سال کا عرصہ ایک ہی مدرسہ میں گذارا۔صبر، استقلال اور استقامت آپ کی خاص صفت رہی،فنا فی اللہ،فنا فی الرسول ،فنا فی الشیخ آپ کی امتیازی خصوصیت تھی۔شفقت وتواضع ، خیر خواہی اور ہمدردی آپ کی طبیعت ِ ثانیہ بن گئی تھی۔قرآن مجید کو تجوید کے ساتھ پڑھنے پڑھانے کی فکر،سنتوں کی پابندی اور اس کی اشاعت آپ کا روحانی مشن تھا۔ہزاروں شاگردوں نے آپ سے علم حاصل کیا اور ہزاروں مریدین نے روحانی فیض پایا۔آندھرا پردیش میں بھی آپ کے سینکڑوں شاگرد موجود ہیں اور ہزاروں مرد وخواتین نے آپ سے بیعت وارشاد کا تعلق قائم کرکے روحانی سکون حاصل کیا ہے۔ نیز ہزارہا ہزار بندگانِ خدا کو آپ کے ذریعہ اپنے باطن کو سنوارنے کی توفیق نصیب ہوئی ، اپنے وصال سے چند دن قبل داڑھ کے علاج کے سلسلہ میں بمبئی تشریف لائے اور شہاب الدین صاحب مرحوم شالیمار ہوٹل والوں کی بلڈنگ میں قیام فرما ہوکر دانتوں کے ڈاکٹر کے زیرِ علاج رہے۔مؤرخہ ۲۳/۲۴ فروری کی درمیانی شب یعنی شبِ جمعہ میں نماز عشاء کی ادائیگی اور معمول کے مطابق تمام معمولات انجام دیئے۔دن میں کئی طالبینِ اصلاح کو بیعت فرمایا،رات میں بھی طالبین کی درخواست پر بیعت وارشاد کے کلمات تلقین فرمائے۔دن میں اپنے پوترے کو ہدایت و وصیت فرمائی کہ میرا انتقال ہوجائے تو سب سے پہلے حضرت کلیم اللہ صاحب مدظلہٗ علیگڑھ کو اطلاع کرنا اور جلد سے جلد غسل دینا، چونکہ غسل میں ستر ہونا چاہیے،اس لیے تم خود غسل دو اور جنازہ بھی تم ہی پڑھاؤ،کیونکہ تم میرے وارث ہو، جنازہ ،تدفین وغیرہ سے متعلق حضرت محی السنہؒ کی بعض ہدایات کو دہراتے رہے، رات میں جب تمام متعلقین وخدام خدمت سے فارغ ہوکر چلے گئے تو گیاسیس کی ہلکی سی شکایت محسوس کی جس کی دوا دینے کے بعد آرام ہوگیا،لیکن رات کے آخری حصہ میں پیٹ اور سینہ کی تکلیف کا اظہار کیا جس پر متعلقہ ڈاکٹر سے رجوع ہوکر دوائی کھلائی جارہی تھی کہ دوا منھ میں رہی اور روح جسم سے نکل کر اپنے مالکِ حقیقی سے جاملی۔انا للہ

وانا الیہ راجعون

ایک اطلاع کے مطابق رات کے اخیر حصہ میں زور زور سے بیعت وارشاد کے وقت توبہ کے جو کلمات مرید سے کہلوائے جاتے ہیں وہ کلمات خود ہی پڑھنے لگے کہ یا اللہ میں توبہ کرتا ہوں کفر سے، شرک سے، بدعات سے وغیرہ وغیرہ۔ مولانا قطب الدین صاحب نے سمجھا کہ شاید مرض کا اثر ہوگا تو کہنے لگے کہ آپ ہی سب احباب کو بیماری میں **یا سلام** پڑھنے کا مشورہ دیتے ہیں تو فرمایا کہ ہاں یا سلام پڑھنا چاہیے، یا سلام یا سلام پڑھتے پڑھتے جان جانِ آفرین کے حوالے فرمادی۔ اور اپنی تمنا، آرزو اور فکر کے مطابق کہ کوئی نماز قضا نہ ہو اور کسی ہسپتال میں شریک ہونے کی نوبت نہ آئے بڑے ہی اطمینان اور خاموشی کے ساتھ قیام گاہ ہی میں رات کی آخری ساعتوں میں جو تہجد اور فجر کے درمیان کا مبارک و مسعود وقت تھا اپنے مولیٰ سے جا ملے۔ **ان للہ ما اخذ و للہ ما اعطی**

صبح ہوتے ہوتے یہ خبر سارے ملک بلکہ تقریباً دنیا میں پھیل گئی، محی السنہؒ کے جانشین اور خلیفہ اجل حضرت الحاج حکیم کلیم اللہ صاحب دامت برکاتہم (علی گڑھ) کی ہدایت کی روشنی میں سنت کے مطابق جلد از جلد تجہیز و تکفین اور ممبئی ہی میں تدفین کے لیے تیاری شروع ہوگئی۔ تنگی وقت اور تنگی جگہ کے باوجود محبّین، متعلقین، مریدین نے ہزاروں کی تعداد میں قیام گاہ پہنچ کر زیارت اور جنازے میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ قیام گاہ سے متصل کھلے حصہ میں نمازِ جمعہ کے بعد متصلاً جنازے کی نماز کا اہتمام کیا گیا تھا۔ حضرت علیہ الرحمہ ہی کے پوترے مولانا قطب الدین مظاہری نے نمازِ جنازہ کی امامت کی اور سونا پور قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

مدینہ منورہ میں قیام کی آرزو

حضرت قاریؒ صاحب سے اس عاجز نے کئی بار سنا ہے، آپ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ کی خدمت میں مدینہ منور میں مقیم تھے تو اس وقت سعودی حکومت کی طرف سے اعلامیہ جاری ہوا تھا کہ متعینہ رقم جمع کر کے سعودی باشندگی حاصل کی جاسکتی ہے، اس اعلامیہ کے بعد کئی حضرات نے اپنی آرزو پوری کر لی، حضرت قاری صاحبؒ کہتے تھے کہ میری تمنا اور آرزو تھی کہ میں بھی حرمین کا مقیم ہو جاتا لیکن اسباب نہ ہونے کی وجہ سے خاموش تھا، میرے ایک شاگرد

جس کو میں تجوید کے ساتھ قرآن پڑھاتا تھا ایک دن انہوں نے اپنے سے پیش کش کی اور کہا کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کی طرف سے رقم جمع کر کے سعودی باشندگی دلاسکتا ہوں ۔ یہ سن کر قاری صاحب بہت خوش ہوئے اور اپنے شیخ کو تفصیل سنا کر اجازت چاہی ،حضرت شیخ نے بڑی دل سوزی ومحبت کے ساتھ حضرت قاری صاحبؒ سے فرمایا کہ پیارے! میں تو یہاں مرنے کے لیے آیا ہوں ،تمہارے لیے ابھی موقع ہے، ہندوستان میں کام کی ضرورت ہے،تم وہیں کام کرو۔ سمجھ گئے کہ پیرومرشد کا اشارہ نہیں ،فوراً اپنا ذہن تبدیل کرتے ہوئے شیخ کے مشورے کو قبول کرلیا، پھر عرض کیا حضرت میرے لیے دو دعائیں کردیجئے ،ایک یہ کہ مجھے حرمین بار بار حاضری کی توفیق ملتی رہے اور دوسرے یہ کہ حسن خاتمہ نصیب ہو۔ چنانچہ شیخ نے اسی وقت اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دونوں دعائیں کی ۔ بعد میں حالات نے بتا دیا کہ پیر کامل کے دل سے نکلی ہوئی دونوں دعائیں وفادار ومخلص مرید کے حق میں اللہ نے قبول فرمالی۔ چنانچہ اس کے بعد سے حضرت قاریؒ صاحب کے مسلسل حجازِ مقدس کے اسفار ہوتے رہے۔ کبھی حج وعمرہ کے ارادے سے اور کبھی خالص عمرے کے ارادے سے ۔ ۱۹۶۰ء میں پہلا سفر حج ۳۰ سال کی عمر میں کیا تھا اور ۲۰۱۱ء میں آخری حج ۸۰ سال کی عمر میں فرمایا۔ اس طرح لگ بھگ ۴۰ سے زیادہ حج وعمرہ فرمائے اور درمیانی سال کے عمرے اس کے علاوہ ہیں اور دوسری دعا حسن خاتمہ کی وہ بھی پوری ہوگئی کہ نہایت مبارک ومسعود اور نہایت قابل رشک انداز میں موت واقع ہوئی ہے۔ جس سے یقین ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی دونوں دعائیں مقبول ہوگئیں ۔لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ.

حضرت قاری صاحبؒ سے والد بزرگوارؒ کا قریبی تعلق

اس عاجز کے والد بزرگوار مولوی الحاج حافظ عبدالغنی صاحبؒ مدرسہ ہردوئی کے اوّلین طلباء میں سے تھے اور پھر وہاں کے اوّلین خدمت گزاروں میں سے بھی ہوئے ،تعلیم وتدریس کے علاوہ دیگر متفرق خدمات بھی حضرت والد صاحبؒ نے مدرسہ ہردوئی میں انجام دی ہیں، اس لیے حضرت قاریؒ صاحب کا حضرت والد صاحب سے جہاں شاگردی کا تعلق تھا وہیں ادارہ کے خدمت گزار ہونے کی حیثیت سے رفیق اور ساتھی بھی متصور ہوتے تھے، جس کی وجہ سے دونوں

میں بڑا گہرا قلبی قریبی تعلق تھا۔ ابتداء میں جب بھی حضرت قاری صاحبؒ کا حیدرآباد سفر ہوتا تھا حضرت والد صاحب و قاری صاحب ایک ساتھ ہی رہتے تھے، کسی ضرورت سے شہر جانا ہوتا تو دونوں ساتھ جاتے، حتی کہ اضلاع کے بعض سفروں میں بھی دونوں ساتھ رہتے تھے، حیدرآباد میں قیام کی صورت میں برسہا برس تک کھانا تیار کر کے پہنچانے کی خدمت پہلے عاجز کی والدہ محترمہ کے سپرد ہی رہتی تھی، والدہ محترمہ بڑی عقیدت و احترام سے اور حضرت کے مزاج کو ملحوظ رکھ کر کھانا تیار کرتی تھیں۔ اس عاجز کو بھی گھر سے کھانا لے کر حضرت کی خدمت میں جانے کا موقع ملتا تھا، کبھی حضرت قاریؒ صاحب گھر آکر کھانا تناول فرماتے تھے، گھر کے ہر چھوٹے بڑے کے ساتھ نہایت شفقت و محبت کے ساتھ معاملہ فرماتے تھے، گھریلو معاملات میں حضرت قاری صاحبؒ والد بزرگوار کے نہایت مخلص با اعتماد مشیر تھے، والد صاحب ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں حضرت قاریؒ صاحب سے مشورہ لیتے اور انہیں کے مشورہ کے مطابق عمل درآمد فرماتے، اس عاجز کی پانچ بہنیں ہیں، ایک کے علاوہ تمام بہنوں کی نسبت طے کرنے میں حضرت قاری صاحبؒ کی خصوصی توجہ شامل رہی ہے اور سب ہی کے نکاح آپ ہی کی خصوصی دلچسپی کی وجہ سے نہ صرف آسان ہوئے بلکہ آپ ہی کی موجودگی و سرپرستی میں انجام پائے۔ اس عاجز پر بھی آپ کا احسان ہے کہ بزمانۂ طالبِ علمی ہردوئی میں تعلیمی و تربیتی سرپرستی فرماتے رہے۔ **فجزاہ اللہ و رحمہ اللہ**

مدینہ پاک میں موت کی تمنا

اس عاجز کے رفیقِ درس ہردوئی کے متوطن حضرتؒ کے خلیفہ مولانا احمد علی منگلی پروہ کے حوالہ سے نقل ہے کہ اس سال سفر حج میں جانے سے پہلے باتوں باتوں میں حضرت الحاج صوفی عبدالرحمٰن صاحبؒ (ممبئی) کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی بھی کیا قسمت ہے کہ رہتے بمبئی میں تھے لیکن موت و مٹی مدینہ میں ہوئی۔ گویا کہ اپنے لیے بھی اس سعادت کی آرزو فرما رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حج سے واپسی کے بعد ہردوئی میں صرف دو دن قیام فرمایا۔ اس میں بھی جب آپ سے ملاقات ہوئی تو فرمایا کہ میرا وقت تو پورا ہو چکا ہے، کاش کہ مدینہ پاک میں مٹی ہو جاتی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے سفر آخرت کے آثار محسوس کر رہے تھے اور یہ بھی

اندازہ ہوگیا تھا کہ اب حرم کی حاضری کے بغیر ہی اسی دیار میں راہیِ آخرت ہونا پڑے گا۔

پسماندگان

پسماندگان میں صاحبزادی، پوترے اور نواسوں کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں محبّین، مریدین اور شاگرد موجود ہیں۔ اندورن ملک و بیرون ملک متعدد خلفاء روحانی و باطنی نمائندگی کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ جو اس وقت حضرت کے وصال اور فراق کی وجہ سے مغموم اور سوگوار ہیں۔ سب ہی کے لیے صبر جمیل کی دعا ہے اور ساتھ ہی ساتھ پوری امت کے لیے نعم البدل کی خدا سے التجا ہے۔ **اللّٰھم عندک احتسب مصیبتی فاجرنی فیھا وابدلنی منھا خیرا**

اصلاحِ معاملات ومعاشرت

آج لوگ عقائد و عبادات کا تو اہتمام کرتے ہیں مگر ان کے معاملات اور معاشرت درست نہیں۔ جس کی وجہ سے طرح طرح کے فتنے پیدا ہو رہے ہیں، طرح طرح کی مصیبتیں آ رہی ہیں، حالانکہ اسلام میں جیسے عبادات کی اہمیت ہے ویسی ہی اخلاق اور معاملات کی اہمیت بھی ہے۔ وہ بھی اسلام کا رکن ہے، یہ بھی اسلام کا رکن ہے، بلکہ اسلام کا تعارف ہی معاملات اور اخلاق سے ہوتا ہے، کیونکہ آدمی کی عبادت کا تعلق اس کے گھر سے ہے، اس کی مسجد سے ہے، اس کی ذات سے ہے، خرید و فروخت، لین دین، رہن سہن ایک دوسرے کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ اس لیے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اسلام دو جماعتوں سے زیادہ پھیلا ہے۔ ایک صوفیا کی جماعت کہ انہوں نے اخلاق و کردار کے اعلیٰ نمونے قائم کئے اور دشمنوں کے دل جیت لئے۔ دوسرے، تاجروں کی جماعت سے دین زیادہ پھیلا ہے، صحابہؓ جہاں گئے اپنے معاملات کی درستگی کے ذریعہ سب پر چھا گئے اور بڑے بڑے کٹر یہودی و عیسائی اور مشرک اس سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہے۔

(ماخوذ از ملفوظات حضرت قاری صاحبؒ)

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل............

مولانا سید احسان الدین رشادی قاسمی*
ناظم دارالعلوم نلگنڈہ

بالآخر جس بات کا دھڑکا پچھلے چند سالوں سے لگا ہوا تھا وہ حقیقت بن کر سامنے آیا اور ہزاروں قلوب کو دلفگار بنا گیا یعنی پیر طریقت، رہبر شریعت، سراپا شفقت ورحمت، کوہِ صبر واستقامت، مجسم عبدیت وفنائیت، پیکرِ تواضع وللہیت عارف باللہ حضرت اقدس مخدومنا ومرشدنا ومولانا قاری امیر حسن صاحب قدس سرہٗ وبرد مضجعہٗ ونور اللہ ضریحہٗ خلیفۂ اجل حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ یکم ربیع الآخر ۱۴۳۳ھ م ۲۴؍فروری ۲۰۱۲ء لیلۃ الجمعۃ المبارکۃ میں صبح صادق سے ذرا قبل اس عالم ناسوت سے راہی عالم بقاء ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون. انّ للہ تعالیٰ ما اخذ ولہ ما اعطیٰ وکل شئ عندہ باجل مسمّی فلنصبر ولنحتسب. مولائے کریم حضرت کے ساتھ اپنے خاص لطف وکرم کا معاملہ فرمائے۔ بال بال مغفرت فرمائے اوراعلیٰ درجات سے نوازے۔ ہمیں اور حضرت کے پسماندگان کوصبر جمیل واجر جزیل عطا فرمائے اورآپ کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کوجن برکتوں اوررحمتوں سے نواز رہے تھے، اب بھی نوازتے رہیں۔ اللّٰھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہٗ واغفرلنا ولہ .

حضرت قدس سرہٗ کامعمول تعزیت کے سلسلہ میں جوتھا وہ حضرت کے درجِ ذیل مکتوب سے ظاہر ہے۔ حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ کا جس تاریخ کو وصال ہوا ٹھیک اسی تاریخ یعنی یکم شعبان ۱۴۰۲ھ م ۲۵؍مئی ۱۹۸۲ء کومیرے والد ماجد کا انتقال ہوا۔ چونکہ میرا تعلق بھی حضرت شیخ رحمہ اللہ سے تھا، حضرتؒ نے یکے بعد دیگرے تین دن کے فرق سے دوگرامی نامے ارسال فرمائے۔

* خلیفہ حضرت قاری امیر حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ

دوسرے گرامی نامے میں جو ۱۱رشعبان م ۴رجون کو ہردوئی سے تحریر فرمایا لکھتے ہیں:

''عزیزم مولوی احسان الدین سلّمہٗ **زید علمهٗ و عملهٗ**

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت والد صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے وصال کی خبر پا کر غمزدہ ہوا۔ حق تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے، ہمیں عبرت دے۔ مرشدنا (حضرت شیخ قدس سرہٗ) رحمۃ اللہ علیہ کی خبر اخبار سے معلوم ہو کر جو حالات سے آپ کو اطلاع کیا ہوں امید ہے میرا لفافہ ملا ہوگا۔ پھر حضرت ناظم صاحب کا لفافہ حیدرآباد سے مرشدنا کے وصال پر حضرت والا نے اپنے حسن ظن وشفقت سے ایک تعزیت نامہ کے طور پر میرے نام ہردوئی روانہ کیا تھا۔ جس میں تسلی کا مضمون جملہ اہل تعلق کے لیے ہے۔ باعث عبرت وسبق آموز ہے۔ اس لیے جی چاہا کہ بعینہٖ اس کو آپ کے پاس روانہ کروں۔ اس لیے روانہ کررہا ہوں۔ اس کو پڑھیں۔ انشاء اللہ باعث سکون ہوگا اور والد صاحب کے انتقال پر ملال سے داعیہ میرا بھی ہوا کہ حاضری دوں'' الخ۔

خط مفصل ہے۔ ضروری ابتدائی حصہ یہاں درج کیا گیا۔ مضمون سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ حضرت کو اپنے خدام سے کس قدر تعلق خاطر تھا اور ان کے دردوغم کو اپنا دردوغم تصور کرتے تھے۔ اب اس کے بعد وہ گرامی نامہ جو حضرت ناظم صاحبؒ نے حضرت قاری صاحبؒ کو تحریر فرمایا اور حضرت نے بعینہٖ وہی مکتوب میرے پاس بھیج دیا (اس زمانہ میں زیراکس مشین نہیں تھی) **وهو هٰذا**

''مکرمی ومحترمی جناب قاری صاحب **زید لطفهٗ السامی وفقنا الله وایاکم بالصبر الجمیل!**

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج اولاً بعد فجر حادثہ جانکاہ کی اطلاع حاجی اسمٰعیل صاحب کے فون سے ملی۔ پھر جملہ اخبارات کے ذریعہ بھی، بہت ہی افسوس ہوا۔ ہم سب کو اور جملہ طلبہ واساتذہ مدرسہ والوں کو توفیق ایصال ثواب اور دعائے مغفرت ورفع درجات اور جملہ اہل تعلق کے لیے صبر جمیل کی دعا کی

توفیق ملی۔اس حادثہ جانکاہ کا جس قدر صدمہ آپ کو بھی ہو کم ہے۔ہم سب مستحق تعزیت ہیں کہ ایک دوسرے کی تعزیت سے ہر ایک کو نفع ہوتا ہے۔اس لیے محض ثواب تعزیت حاصل کرنے کے لیے حسب ذیل معروضات ہیں ورنہ آپ جیسے حضرات کی خدمت میں اس سلسلہ میں کچھ عرض کرنا سورج کو چراغ دکھلانا ہے۔(۱)انا للہ وانا الیہ راجعون (۲)انّ للہ ما أخذ وللہ ما أعطیٰ وکل عنده باجل مسمّٰی الخ کے مضمون کو سوچیں۔(۳)اصبر نکن بک صابرین فانما صبر الرعیة بعد صبر الرأس وخیر من العباس اجرک بعدهٗ واللہ خیر منک للعباس. (۴)''علاج الغم والحزن'' کو بار بار ملاحظہ فرماویں۔(۵)مضمون ''دافع الغم ''جس کی کاپی مولوی شعیب صاحب کے پاس ہوگی اس کو بھی ملاحظہ فرمایا جائے۔ (۶)''شوق وطن یا تسہیل شوق وطن'' کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔

والسلام خادم

ابرارالحق عفی عنہ

از مدرسہ فیض العلوم باقر باغ ،سعید آباد حیدرآباد

یکم شعبان ۱۴۰۲ھ م ۲۵؍مئی ۱۹۸۲ء

ہمارے صبر وتسلی کے لیے بھی یہی مضمون حضرت کی جانب سے منتخب ومامور بہ ہے۔

حضرت کا حادثۂ وفات ہم خدام پر بجلی بن کر گرا۔ہم لوگ حضرت کی رحلت سے بالکل یتیم ہوگئے۔اب شفقت کا ہاتھ پھیرنے والا کوئی نہیں رہا۔آپ کا بابرکت وجود کتنے دلوں کی ڈھارس تھا اور کتنے روحانی بیماروں کے آپ مسیحا تھے،اس کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔شکستہ حال اور زخموں سے نڈھال افراد آپ کے چند محبت آمیز بول سے نئی ہمت اور نیا حوصلہ پاتے تھے۔اب ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔دل کی کلی مرجھا گئی ہے اور آرزوؤں کا گلستان اجڑ گیا ہے۔ع

وہ کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

کوئی مزہ مزہ نہیں کوئی خوشی خوشی نہیں　　تیرے بغیر زندگی موت ہے زندگی نہیں
تم سے ملتی تھی روح کو تازگی　　تم چلے ارمان سارے مرچلے

حضرت کے مزاج میں بڑی سادگی تھی۔گفتگو نرم اور شیریں ہوتی تھی۔طبیعت میں کچھ ایسی

کشش تھی کہ جو ایک بار ملتا وہ آپ ہی کا ہو رہتا۔ شفقت و مروت آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ دوسروں کی راحت کی خاطر خود مشقت اٹھاتے تھے۔ ہائے اب ایسا معصوم صورت اور فرشتہ صفت انسان کہاں دیکھنے کو ملے گا؟ وہ بہت بڑی باکمال شخصیت کے مالک تھے۔ لیکن انہوں نے خود کو شہرت سے کوسوں دور رکھا۔ گمنامی کو اپنا شیوہ بنالیا۔

در دست نہ تیرست نہ در دست کمان ست　　　ایں سادگی اوست کہ بسمل دو جہانست

در مدرسہ از جنبش لعل تو حکایت　　　در میکدہ از مستی چشم تو نشانست

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ کے بارے میں خود فرماتے تھے کہ حضرت اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

میں تو نام ونشان کھو بیٹھا　　　شہرہ کس نے اڑادیا میرا

یہی حال ہمارے حضرت کا تھا کہ اپنے آپ کو نام ونمود سے کوسوں دور رکھتے تھے۔ اور کہیں بھی ہوں بالکل بے حیثیت بنے رہتے تھے۔ سہارنپور میں حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں رمضان شریف میں صف اول میں حضرت کے بڑے بڑے خلفاء مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ، مولانا منور حسین صاحب بہاریؒ، مولانا جمیل احمد صاحب حیدرآبادیؒ، مولانا عبید اللہ صاحب بلیاویؒ، مولانا عبد الجبار اعظمیؒ، مولانا معین الدین صاحبؒ، حضرت شیخ یونس صاحب جونپوری دامت برکاتہم، مولانا عبد الحلیم صاحب جونپوریؒ، صوفی اقبال احمد صاحب ہوشیار پوریؒ وغیرہ کے ساتھ حضرت قاری صاحبؒ بھی ہوا کرتے تھے مگر شیخ کی مجلس میں اس طرح باادب ہو کر کونے میں دبک کر بیٹھتے کہ پہلی نظر میں کسی کو نظر بھی نہ آتے۔ یہی حال آپ کا آپ کے ہمعصر اور تاحیات رفیق کار بزرگ محی السنۃ حضرت مولانا ابرار الحق صاحبؒ کے ساتھ تھا۔ حضرت کی مجلس میں اس طرح سمٹ کر خاموش باادب بیٹھتے جیسے کوئی ادنیٰ غلام بادشاہِ وقت کے سامنے بیٹھا ہو۔ اور اپنے شیخ کی طرح حضرت کے ساتھ معاملہ فرماتے۔ حالانکہ وہ خود مستقل شیخ اور صاحب سلسلہ سیکڑوں بلکہ ہزاروں کے شیخ تھے۔ مگر اللہ رے بے نفسی وفنائیت کہ حضرت کے جاہ وجلال کے آگے اپنے آپ کو بالکل مٹا کر رکھ دیا اور پوری زندگی حضرت کے اشاروں پر قربان کردی۔ زندگی میں تریسٹھ سال اور بعد وصال سات سال جملہ ستر سال ''یک درگیر محکم گیر'' کے

طور پر اسی آستانہ سے وابستہ رہے اور یہ کہتے ہوئے زندگی گذاردی

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

یقیناً وہاں کے درودیوار نے بزبان حال کہا ہوگا کیوں کہ ساتھی تو کوئی باقی نہیں رہا تھا۔

کہتے ہیں آج امیر جہاں سے گذر گیا کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

جان ہی دیدی جگر نے آج کوئے یار میں عمر بھر کی بے قراری کو قرار آہی گیا

میرے خیال میں حضرت کی سب سے بڑی کرامت یہی تھی کہ وہ حضرت محی السنۃ کا ساتھ نبھا گئے اور کبھی کوئی تلخی رنجش نہ آنے دی۔ ورنہ تو حضرت کے سامنے نہ معلوم کتنے مدرس آئے اور کتنے چلے گئے۔ جو حضرت محی السنۃؒ کے مزاج سے واقف ہیں وہ اس کی گواہی دیں گے۔ حضرت ناظم صاحبؒ کا اتنا احترام قلب میں تھا کہ آپ کو بمنزلۂ شیخ کے سمجھتے تھے۔ آپ کی ایک ایک نصیحت وادا کو تمام عمر حرزِ جان بنا کر رکھا اور اس کی تبلیغ واشاعت کرتے رہے اور آپ ہی سے اپنی پہچان کو وابستہ رکھا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ غور کی نظر اس نکتہ کو پوری طرح کھولدے گی۔ **الاستقامة خير من ألف كرامة** ۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ تعلق یک طرفہ تھا؛ بلکہ حضرت محی السنۃؒ بھی حضرتؒ کا بڑا لحاظ فرماتے تھے۔ اپنی عدم موجودگی میں حضرت کی مدرسہ میں موجودگی کو ضروری قرار دیتے تھے۔ گویا ایک طرح سے جانشینی کی ذمہ داری آپ کو تفویض فرماتے۔ اور طلبہ بھی حضرت قاری صاحب کے ساتھ ویسا ہی ادب واحترام واکرام کا معاملہ کرتے جیسے حضرت ناظم صاحب علیہ الرحمۃ سے کیا کرتے۔ کبھی حضرت ناظم صاحبؒ کسی کو سزا تجویز کرتے تو یوں فرماتے بھائی حضرت قاری صاحبؒ کے بابرکت پاپوش لے آؤ اور اس (طالب علم) کی گردن پر رکھو، جلد اس کے کبر کا علاج ہوجائے گا۔ حضرت کی غیر موجودگی میں عصر بعد کی مجلس حضرت قاری صاحبؒ کے ذمہ تھی۔ آپ ہی کتاب سنایا کرتے تھے۔ نائب ناظم حضرت مولانا بشارت علی صاحب مرحوم سے گہرے مخلصانہ تعلقات تھے۔ بلکہ اول حضرتؒ ہی نائب ناظم تھے۔ مگر حضرت حساب وکتاب اور انتظامی مسائل سے طبعی طور پر کم دلچسپی رکھتے تھے۔ اس لیے حضرت مولانا بشارت علی صاحب کو آگے کردیا اور خود ماتحت صدر مدرس ہوگئے۔ کبھی کبھی نائب ناظم صاحب مرحوم مزاحاً فرماتے تھے کہ یہ آپ ہی نے ہمیں انتظامات میں الجھا کر پریشان کیا ہے۔ حضرت مسکرا کر چپ ہوجاتے۔

حضرت قاری صاحبؒ نے فرمایا کہ جس وقت بندہ ہردوئی گیا تو حضرت ناظم صاحبؒ نے شرائط ملازمت میں یہ بھی لکھوالیا کہ تنخواہ کے مطالبہ کا اختیار نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ دینی ادارہ ہے۔کوئی مستقل ذریعہ آمدنی نہیں ہے۔ جب کہیں سے آوے گا تو دے دیا جاوے گا۔اور مشاہرہ اس وقت دس روپیہ ماہوار تھا۔اس وقت مدرسہ قائم ہوکر چھ ماہ کا عرصہ ہوا تھا۔ایک دفعہ ایسا ہوا کہ پانچ مہینہ تک تنخواہ رکی رہی۔کہیں سے کوئی آمد نہ ہوئی۔سخت تشویش وپریشانی لاحق ہوئی۔ سرپرستِ مدرسہ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ کی خدمت میں صورت حال عرض کی گئی۔ حضرت نے **حسبنا اللہ ونعم الوکیل ۳۰۸** مرتبہ پڑھ کر کشائشِ رزق کے لیے دعا کرنے کا امر فرمایا۔ چنانچہ اس تاریخ سے آج تک (جب یہ بات حضرتؒ نے بیان فرمائی تھی یعنی ۲۶/ربیع الاول ۱۴۱۱ھ) یہ معمول جاری ہے اور پھر کبھی کسی قسم کی تنگی پیش نہیں آئی۔ ہمیشہ چاند کی پہلی تاریخ پر تنخواہ مل جاتی ہے۔حضرت فرماتے تھے کہ میں اور نائب صاحب بعد نمازِ عشاء دفتر پر پابندی سے یہ وظیفہ پڑھا کرتے ہیں۔اور فرماتے تھے کہ بھئی اس کی برکات کا تو ہم نے بچشمِ خود مشاہدہ کیا ہے۔اس لیے اس کو تاحیات نہیں چھوڑیں گے۔

اس کے علاوہ حضرت ناظم صاحبؒ کی اہلیہ محترمہ (مسمّٰی امی جان صاحبہ مرحومہ) کا بھی بڑا ادب ولحاظ فرماتے اور امی جان خود بھی حضرت کا بڑا خیال فرماتیں۔مختلف چیزیں بنا کر حضرت کے کھانے اور ناشتہ میں پیش کرتیں۔ بڑی شفقت کا معاملہ فرماتیں۔عام طور پر یہ چیز دوسری جگہ دیکھنے کو نہیں ملتی۔لوگ بڑوں کا تو اکرام کرتے ہیں مگران کے متعلقین کا ویسا لحاظ نہیں کرتے۔لیکن حضرت قاری صاحبؒ حضرت ناظم صاحب کے گھر کے تمام افراد سے ادب ومحبت کا خاص معاملہ فرماتے۔ بالخصوص حضرت کے خویش حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب مدظلہ العالی جو حضرت سے بہت چھوٹے تھے مگران کا احترام بھی محی السنۃ کی طرح فرماتے۔حضرت کے جانشین کی حیثیت سے آپ کے ارشادات کی بڑی قدر وتکریم فرماتے۔آپ کی اجازت کے بغیر کوئی سفر نہ فرماتے۔

حضرت کی تواضع وبے نفسی کے ضمن میں یہ دو چار باتیں بے اختیار نوکِ قلم پر آگئیں ورنہ تو

سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے

حضرت کے حالات حضرت کے مجموعہ ملفوظات ''کلمات صدق وعدل'' کے شروع میں کچھ

تو خود حضرت کے قلم سے (مولانا محمد یوسف متالا محبوب ومجاز حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے مطالبہ پر کہ وہ حضرت کے خلفاء کے حالات قلمبند کر رہے ہیں) تحریر فرمائے۔اس پر مرتب ملفوظات رفیق محترم حضرت مولانا احمد علی صاحب ہردوئی نے مزید اضافہ فرمایا ہے جو حضرت کے علو مقام ومرتبت پر دال ہیں۔اس کے علاوہ حضرت اکثر اپنی خصوصی مجالس میں بیان فرمایا کرتے تھے جو حضرت کے بکثرت حاضر باش خدام اور حضرت حافظ اسحاق صاحب مدظلہ، مولانا احمد علی صاحب، مولانا جمیل احمد صاحب، مولانا وسیم صاحب وغیرہ کو اچھی طرح معلوم ہوں گے۔تاہم ہر ایک کی رسائی وہاں تک مشکل ہے، اس لیے مختصراً لکھے جاتے ہیں۔ساتھ ہی متوسلین کرام سے خصوصاً درخواست ہے کہ وہ حضرت کے مجموعہ ملفوظات ''کلمات صدق وعدل'' کو برابر اپنے مطالعہ میں رکھیں۔حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ بتاکید فرمایا کرتے تھے کہ میری تالیفات کا مطالعہ میری ملاقات کا بدل ہے۔بعینہٖ یہی بات پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندیؒ متع اللہ المسلمین بطول بقاءہ نے مجالس فقیر میں لکھی ہے۔حضرت کے ملفوظات کا مجموعہ جب خود حضرت کے استاذ مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ سابق مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کو سنایا گیا تو حضرت نے بہت پسند فرمایا اور نام ''کلمات صدق وعدل'' تجویز فرما کر یہ آیت کریمہ وتمت کلمة ربک صدقا وعدلا تلاوت فرمائی۔گویا اس آیت سے استبراک فرمایا کہ یہ ملفوظات وکلمات سچے اور مبنی بر انصاف ہیں۔ایک اور تفسیری نکتہ بھی اس سلسلہ میں نظر سے گذرا اسے بھی نقل کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں معلوم ہوتا۔نابغہ روزگار عالم مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ، نے توضیح القرآن میں لکھا ہے کہ غزوۂ خندق کے موقع پر صحابہ کرام نہایت جانفشانی سے اپنے اپنے حصہ کی خندق کھود رہے تھے۔اسی دوران حضرت سلمان فارسیؓ جس جگہ خندق کھود رہے تھے وہاں ایک سخت چٹان بیچ میں آ گئی جو کسی طرح ٹوٹ نہیں رہی تھی۔آنحضرت ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ بہ نفس نفیس وہاں تشریف لائے اور اپنے دست مبارک میں کدال لے کر یہ آیت وتمت کلمة ربک صدقا وعدلا پڑھی اور چٹان پر ضرب لگائی تو چٹان ٹوٹ گئی۔واقعہ مفصل ہے۔حق تعالیٰ اس کو فال نیک بنا کر ہمارے قاسی قلوب کی چٹانوں کے ٹوٹنے کا ذریعہ فرما کر اپنا قرب ووصول وقبول نصیب فرمائے (آمین)۔

والد ماجد کا نام مظفر حسین تھا۔تاریخ پیدائش معلوم نہیں۔اول تو اس زمانہ میں گاؤں دیہات میں لکھنے پڑھنے کا رواج کم تھا۔پھر یہ کہ حضرت آگے چل کر اتنے عظیم المرتبت بزرگ ہوں گے کس کو خبر تھی۔ویسے حضرت آخری ایام میں فرمایا کرتے تھے کہ اب پچانوے چھیانوے سال کا ہو چکا ہوں۔آپ کے تعلیمی وتدریسی احوال کے لحاظ سے یہ پوری طرح قرینِ قیاس بھی ہے۔ایک مجلس میں فرمایا کہ جب میں چھ مہینہ کا تھا میری والدہ کا وصال ہوگیا تھا۔مجھ سے بڑی ایک بہن تھی (جن کا کچھ عرصہ قبل انتقال ہوگیا ہے۔یہ ۳/اکتوبر ۱۹۹۵ء کی بات ہے) ان کو بھی ایک لڑکا ایک لڑکی تھی۔مجھے بھی ایک لڑکا ایک لڑکی۔(حضرت کے یہ بھانجے جدہ میں محلّہ عزیزیہ جحجوم بلڈنگ میں رہتے تھے۔حضرت ہی نے کسی سے کہہ کر وہاں کچھ کام پر لگا دیا تھا۔اب پتہ نہیں کہاں ہیں)۔میرے والد مرحوم زمیندار تھے۔سیدھے سادھے اور نیک آدمی تھے۔انہوں نے اس خوف سے دوسرا نکاح نہیں کیا کہ جب دوسری بیوی آئیگی تو بچوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں ہو سکے گا۔چنانچہ ساری جوانی مجرد کاٹ دی۔مجھے میری ایک پھوپھی نے جو لاولد تھیں پال لیا تھا۔ابتدائی تعلیم پرائمری اسکول درجۂ سوم تک اپنے وطن میں پڑھ کر قریبی گاؤں میں قرآن پاک کی تعلیم حاصل کی۔اس کے بعد مدرسہ کرامتیہ محلّہ ملاٹولہ جونپور میں ابتدائی فارسی سے شرح جامی بحث فعل تک پڑھ کر ۱۳۵۵ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا اور سات سال رہ کر دورۂ حدیث شریف مکمل کیا۔آپ اپنی مجالس میں اپنے اساتذہ کے اسماء گرامی اور ان کے واقعات بکثرت ذکر فرماتے تھے۔اس وقت قلمبند کرنے کی طرف دھیان نہیں گیا اور ادھر یادداشت کا حال یہ ہے کہ

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد زباغباں　　بلبل چہ گفت وگل چہ شنید وصبا چہ کرد

نہ سمجھے تھے اس جان جہاں سے یوں جدا ہوں گے
یہ سنتے گو چلے آئے تھے اک دن جان جانی ہے

چند اسماء جو ذہن میں رہ گئے درج ذیل ہیں۔حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب ناظم مدرسہ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب، حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب کامل پوری، حضرت مفتی محمود حسن صاحب، حضرت مولانا ظریف احمد

صاحب، حضرت مولانا ظہور الحق صاحب، امام النحو حضرت مولانا صدیق احمد صاحب، حضرت مولانا سعید احمد صاحب اجراڑوی اور مولانا ظہور الحسن صاحب کسولوی۔حضرت مولانا ظہور الحق صاحبؒ کے بارے میں فرماتے تھے کہ وہ مدرسہ کے مطبخ کے مہتمم تھے مگر مدرسہ کا سالن خود نہیں چکھتے تھے بلکہ کسی طالب علم سے چکھوا لیتے اور نمک مرچ درست کرواتے اور آم کی بیع عموماً چونکہ پھل آنے سے قبل ہوتی ہے اور یہ ناجائز ہے اس لیے جب آپ کو آم یا کیری منگوانا ہوتا تو فرماتے تھے کہ کسی ہندو سے خرید کر لانا مسلمان سے نہیں (کیونکہ وہ احکام جزئیہ شرعیہ کا مکلّف نہیں) اور جو چلر پیسے بچتے مجھے اور شیخ یونس صاحب کو دیدیا کرتے تھے۔

دورہ سے فراغت کے بعد حضرت نے کچھ عرصہ طب پڑھا۔ایک کتاب قالونچہ کا ذکر فرمایا تھا اور اس کی بعض اصطلاحات کا بھی تذکرہ کیا تھا۔حضرتؒ کو ساری دنیا ''قاری صاحب'' کے نام سے جانتی ہے۔یہ لقب تاحیات آپ کی ذات کا ایسا لازمہ بنا رہا کہ اکثر لوگوں کو آپ کے نام کا ہی پتہ نہیں، صرف قاری صاحب ہردوئی سے دنیا واقف ہے۔واقعی حضرت اس فن کے امام تھے۔آواز بھی اتنی پیاری اور خوبصورت تھی کہ جب آپ لحن کے ساتھ پڑھتے تو پورے ماحول پر ایک سناٹا چھا جاتا اور سامعین پر بے خودی و محویت طاری ہو جاتی۔قواعد کی خلاف ورزی کو قطعاً برداشت نہیں کر سکتے تھے۔غلطی پر فوراً محبت و شفقت سے ٹوکتے اور صحیح کر کے بتلاتے۔مخارج تو مخارج، صفات اور حرکت و حرف لین کے ذرا سا بگڑ جانے اور مجہول ہو جانے پر گرفت فرماتے۔اکثر فجر کی نماز میں سورۂ عبس کی تلاوت فرماتے۔حضرت ناظم صاحبؒ بھی آپ کی قرأت کو بے حد پسند فرماتے تھے اور کبھی تلاوت کی خواہش فرماتے۔اکثر سورۂ عنکبوت کا آخری رکوع تلاوت فرماتے۔حضرت نے فن قرأت ابتداءً تو مدرسہ مظاہر علوم میں پڑھا لیکن جب ہردوئی آئے تو یہاں ایک باکمال قاری صاحب قاری سعید احمد صاحب شیروانی متوطن ڈھولنہ ضلع ایٹہ یوپی رہتے تھے (جن کی زیارت احقر نے بھی کی ہے) اس زمانے میں قاری سعید احمد صاحب کو ''بڑے قاری صاحب'' اور ہمارے حضرت کو صرف ''قاری صاحب'' کہا جاتا تھا۔وہ قاری صدیق احمد خراسانی کے شاگرد تھے۔ان کے عجیب و غریب احوال حضرت نے سنائے تھے جن کا ذکر موجب طوالت ہوگا۔قاری صدیق احمد صاحب اور قاری عبدالخالق صاحب (جنہوں نے جامع مسجد سہارنپور

میں چالیس سال تک یہ فن پڑھایا اور حضرت مولانا ابرارالحق صاحبؒ نے انہیں سے دوران تعلیم مظاہرعلوم فجر سے قبل جامع مسجد پہنچ کر کئی سال میں فن کی تکمیل کی۔)اور مولانا اشرف علی تھانویؒ، ان تینوں نے مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میں شہرۂ آفاق قاری عبداللہ صاحب (صاحب فوائد مکیہ) سے پڑھا۔ہمارے حضرت قاری صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے استاذ قاری سعید احمد صاحب نے فرمایا تھا کہ مجھ سے تین شخصوں نے مکمل پڑھا ہے۔ایک خود میں نے، دوسرے قاری سعید احمد صاحب کے فرزند قاری عمید احمد صاحب اور تیسرے قاری حبیب الحسن شیروانی صاحب نے۔ہمارے حضرت نے فرمایا کہ میں نے قاری سعید احمد صاحب سے مکمل ڈیڑھ سال میں قرآن مکمل کیا۔

اللّٰھم اغفر لھم وارحمھم وارفع درجاتھم واکرم نزلھم.

حفظِ قرآن آپ نے بعد میں اپنے شوق سے مکمل فرمایا۔اکثر جو کوئی حافظ غیر عالم یا جو عالم غیر حافظ آپ سے ملتا تو فرماتے جو حافظ عالم نہیں وہ آدھا حافظ ہے اور جو عالم حافظ نہیں وہ آدھا عالم ہے۔مطلب یہ تھا کہ حافظ بنو تو عالم بھی بنو اور عالم بنو تو حافظ بھی بنو۔

نکاح طالب علمی کے دور میں ہو گیا تھا۔ایک لڑکی دو لڑکے تولد ہوئے،جن میں سے ایک کا بہت پہلے انتقال ہو گیا تھا البتہ دوسرے صاحبزادہ قاری محمد جلال الدین صاحب مرحوم ہمارے رفقاء میں تھے۔بڑے سادہ لوح اور پر مزاح تھے۔

بہت لگتا تھا جی صحبت میں ان کی

دوران طالب علمی اکثر مرحوم کی طبیعت خراب رہا کرتی تھی۔تشنج ہو جاتا تھا۔بہت علاج کیا گیا۔حیدرآباد میں بھی کافی عرصہ زیر علاج رہے۔حضرت ان کی طرف سے فکرمند رہتے تھے۔جس کی وجہ سے وہ زیادہ پڑھ نہیں سکے۔قرآن پاک ہردوئی میں پڑھا۔حفظ کی بہت کوشش کی مگر مکمل نہ ہو سکا۔بعد میں مولانا اقبال صاحب مرحوم کے مدرسہ سراج العلوم سیوان بہار میں مدرس ہو گئے۔ابھی چند سال قبل حضرت کی خدمت میں میل وشارم میں رمضان شریف گذارنے تشریف لائے، وہیں طبیعت زیادہ خراب ہوئی۔علاج کے لیے مدراس لے جایا گیا مگر وقتِ موعود آچکا تھا۔اس لیے کوئی دوا کارگر نہ ہوئی اور وہیں ہسپتال میں ۲۴ ررمضان ۱۴۲۵ھ انتقال فرما گئے۔ جنازہ میل وشارم لایا گیا۔حضرت نے نماز جنازہ پڑھائی۔(ناچیز راقم سطور بھی نماز میں شریک

تھا)۔میل وشارم کے قبرستان ہی میں دفن کئے گئے۔رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔حضرت کو بڑھاپے میں بڑا صدمہ پہنچا کہ بڑھاپے کا ایک سہارا تھا وہ بھی ٹوٹ گیا۔بڑا دردناک منظر تھا۔پوتے دادا کے پیروں سے لپٹ لپٹ کر روتے رہے۔حضرت بھی رنج وغم سے سرخ ونڈھال ہورہے تھے۔مگراللہ کے فیصلے پر راضی،زبان سے اف تک بھی نہ کیا۔

ماپروریم دشمن ما می کشیم دوست کس را رسد نہ چوں وچرا در قضائے ما

قاری جلال الدین صاحب مرحوم کے تین لڑکے حافظ شمس الدین صاحب،مولوی قطب الدین صاحب،حافظ نجم الدین صاحب،اورایک لڑکی ہے۔صاحبزادی صاحبہ اورخویش حضرت مولانا جمیل احمد صاحب قاسمی،مؤظف صدرمدرس،صاحبِ اولادو باحیات ہیں۔حضرت کی اہلیہ محترمہ اب سے اکیس سال قبل ہی داغ مفارقت دے گئی تھیں۔مرحومہ اور بچے اکثر گھر (ریپورہ)ہی رہا کرتے تھے۔حضرت وطن جاتے آتے رہتے تھے۔

حضرت کواولیاءاللہ سے جوعشق ومحبت تھی اس کااظہار حضرت کے مواعظ وملفوظات کے لفظ لفظ سے ظاہر ہےاورسب سے زیادہ تعلق مولانا رومؒ سے تھا جن کا کلام ’’مثنوی مولانا روم‘‘اکثر نہایت ترنم اورسوز وگداز سے پڑھتے تھے۔ایک دوشعر لکھنے کو جی چاہتا ہے جس کوحضرت نے بلامبالغہ سیکڑوں بار پڑھا ہوگا۔

اللہ اللہ ایں چہ شیرین ست نام شیر وشکر می شود جانم تمام
مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم تا غلامِ شمس تبریزی نہ شد
گر ہوائے ایں سفر داری دلا دامن رہبر بگیر وپس بیا
بے رفیقے ہر کہ شد راہ عشق عمر بگذشت وشد نہ آگاہ عشق
قال رابگذار مرد حال شو پیش مرد کاملے پامال شو
گر تو سنگِ خارا ومر مر شوی چوں بصاحب دل روی گوہر شوی

چنانچہ حضرت نے اپنے صاحبزادہ کا نام پیررومی کے نام نامی اسم گرامی سے استبراک کرتے ہوئے جلال الدین رکھااوربڑے پوتے کا نام مولانا روم کے پیر کے نام پرشمس الدین رکھا اوردوسرے پوتے قطب الدین کا نام خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے نام پر رکھااورتیسرے

پوتے شیخ نجم الدین کبریٰ جو عظیم مفسر امام فخر الدین رازی کے شیخ تھے کے نام پر رکھا۔ **المرء مع من احب** کے مصداق کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت کو بھی انہیں کے ساتھ واصل وشامل فرما دیا ہو۔

حب درویشاں کلید جنت است دشمن ایشاں سزائے لعنت است

فراغت کے بعد اپنے استاذ ومربی حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کے مشورہ سے ۱۳۶۳ھ میں ہردوئی تشریف لائے اور اس تعلق کو تا دم زیست باقی رکھا۔ البتہ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کے مدینہ منورہ ہجرت کے بعد ایک سال حضرت کی خدمت میں مدینہ پاک میں قیام رہا۔ اس وقت سعودی حکومت نے اعلان کر دیا تھا کہ جو حضرات عارضی طور پر مقیم ہیں ان کو مستقل سعودی شہریت دیدی جائے گی۔ حضرت کی بھی یہ عین خواہش تھی کہ اس پاک سرزمین کی شہریت مل جائے اور کون عاشق رسول ﷺ ہے جو اس کی تمنا نہ کرے۔ بقول حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

رجاء وخوف کی موجوں میں ہے امید کی ناؤ کہ ہو سگان مدینہ میں میرا نام شمار
جیوں تو ساتھ سگان حرم کے تیرے پھروں مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مور ومار
اڑا کے باد مری مشت خاک کو پس مرگ کرے حضورؐ کے روضہ کے آس پاس نثار

حضرت قاری صاحبؒ نے اس خواہش کو اپنے شیخ کے سامنے رکھا تو حضرت نے فرمایا کہ ’’پیارے میں تو یہاں مرنے کے لیے آیا تم تو ماشاء اللہ ابھی کام کر رہے ہو اور بہت کچھ کام کر سکتے ہو اور تمہارے کام کا میدان ہندوستان میں ہے یہاں نہیں ہے۔‘‘ شیخ کا اشارہ پاتے ہی حضرت نے واپسی کا ارادہ فرما لیا

اريد وصاله ويريد هجري فاترك ما اريد لما يريد

البتہ اس موقع پر حضرت قاری صاحبؒ نے اپنے شیخ سے درخواست کی کہ دعا فرمائیں کہ میری حاضری حرمین شریفین میں آئندہ بھی ہوتی رہے اور حسن خاتمہ نصیب ہو۔ ساری دنیا نے ان دونوں دعاؤں کا اثر دیکھ لیا کہ حضرت ہر سال حج پر تشریف لے جاتے تھے۔ عمرے اس کے علاوہ۔ سالِ حال تو اس قدر ضعف تھا کہ بسا اوقات دو آدمیوں کے سہارے اٹھائے جاتے اور

بمشکل قدم اٹھاتے مگر اللہ رے ہمت و استقامت اور حرمین شریفین سے عشق و تعلق کہ حضرت نے بحمد اللہ جملہ مناسک ادا فرما کر بخیر و خوبی وطن مراجعت فرمائی اور دوسری دعا کا اثر بھی دنیا نے دیکھ لیا کہ نمازِ تہجد کے لیے بیدار ہوئے، کلمہ شہادت پڑھا، توبہ و استغفار بآواز بلند کیا، پھر یا سلام پڑھتے پڑھتے قیام گاہ ہی پر داعی اَجل کو لبیک کہا۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

(حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کا جب وصال ہو رہا تھا اس وقت آپ کی زبان پر یا کریم تھا)۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

الغرض پھر آپ مکرر مدرسہ اشرف المدارس میں رجوع بکار ہوئے۔ پڑھنا پڑھانا ہی آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ علمی استعداد ٹھوس تھی۔ وہ پڑھاتے کیا تھے، گھول کر پلاتے تھے۔ اور تعلیم کے ساتھ طلبہ کی تربیت پر بھی خاص نظر رکھتے تھے اور نصیحت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ طلبہ بھی آپ کی شفقت کی وجہ سے آپ کے گرویدہ رہتے۔ مجھے نہیں معلوم کہ کسی طالب علم نے کبھی دبی زبان سے بھی آپ کا شکوہ کیا ہو یا کسی طرح کی کبیدگی کا اظہار کیا ہو۔ طلبہ سے خدمت نہیں لیتے تھے۔ خود ہی اپنی کتابیں لے کر درسگاہ تشریف لاتے۔ کبھی اپنا کھانا لینے خود ہی مطبخ چلے جاتے۔ اس دوران آپ سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔ اندرون ملک تقریباً تمام ریاستوں میں اور بیرون ممالک بھی۔ اسی طرح آپ کے متوسلین کا حال ہے۔ ۱۳۶۲ھ میں جب آپ دورۂ حدیث میں تھے مظاہر علوم میں بڑے بڑے اکابر اہل اللہ کا مجمع تھا اور سبھی حضرات مشائخِ وقت کے مجاز و صحبت یافتہ تھے۔ آپ کی نیک فطرت اور صالح طبیعت نے اس کا اثر پوری طرح سے قبول کیا اور آپ کا میلان بھی سلوک کی طرف ہو گیا۔ چنانچہ آپ نے اپنے ایک ساتھی مولانا عبدالمنان صاحب مظاہری[1] کی معرفت امام الاتقیاء محبوب المشائخ

[1] مولانا عبدالمنان صاحب مظاہر علوم کے فارغ حضرت رائے پوریؒ کے خادمِ خاص دوا و غذا اور ڈاک کے مہتمم اور حضرت کے اسفار میں آپ کے خصوصی رفیق تھے۔ تقریباً انیس سال حضرت کی خدمت میں رہے بلکہ حضرت کی خاطر اپنا خاص وطن گوجرانوالہ پنجاب پاکستان چھوڑ کر ہندوستان کی شہریت حاصل کی اور آخر تک حضرت کے ساتھ رہے۔ حتیٰ کہ لاہور میں حضرت رائے پوری کی پہلی نماز جنازہ آپ ہی نے پڑھائی۔ کئی سال ہوئے موصوف کا بھی اپنے آبائی وطن میں انتقال ہو گیا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ.

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری کی خدمت میں رائپور حاضر ہوکر بیعت کی درخواست کی۔شروع میں حضرت نے پس وپیش کیا کہ میرے پاس دیہاتی آتے ہیں اورآپ مولوی صاحب ہو۔حضرت نے عرض کیا کہ میں بھی دیہاتی ہوں۔ چنانچہ حضرت کی ارادت ِصادقہ اوراخلاص ومحبت کو دیکھ کر بیعت فرمالیا اور ذکر بتلادیا۔حضرت اپنے شیخ کی نگرانی میں منازل سلوک طئے کرتے رہے۔یہاں تک کہ حضرت رائپوری صاحب کا ۱۶/اگست ۱۹۶۲ء کو پاکستان میں وصال ہوگیا۔اب حضرت نے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب قدس سرہٗ جو حضرت کے استاذ بھی تھے اور خاص مشفق ومحسن بھی، سے رجوع کیا اور تجدید بیعت کی درخواست کی۔حضرت شیخ نے فرمایا کہ جو لوگ میرے دو بزرگ حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ اور حضرت رائپوریؒ سے بیعت ہیں میں ان کو دوبارہ بیعت نہیں کرتا بلکہ ان حضرات نے جو معمولات بتلائے تھے اسی پر ہر ایک کے حسبِ حال صلاح ومشورہ دیتا ہوں۔چنانچہ حضرت کو بھی معمولات بتلادیئے۔حضرت پوری یکسوئی اورتوجہِ تام کے ساتھ اپنے شیخ کے معمولات ومأمورات انجام دیتے رہے یہاں تک کہ صرف تین ہی سال میں ۲۸/رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ کو خلافت سے سرفراز فرمایا۔حضرت شیخ خلافت کے معاملہ میں کس قدر سخت تھے اس کا اندازہ خود حضرت کے اس ملفوظ سے ہوتا ہے جو آپ بیتی وغیرہ میں آیا ہے کہ میں نے مفتی محمود گنگوہی ومولوی منور حسین بہاری (ہر دو جامعہ مظاہر کے بلند پایہ ومعروف استاذ تھے) کو چالیس سال رگڑا،تب جاکر خلافت دی۔پھر حضرت کی حیات میں سترہ سال اور وفات کے بعد تیس سال جملہ سینتالیس سالہ مدت میں حضرت نے کتنی ترقی کی اور کن کن مدارج قصویٰ تک پہنچے وہ اللہ ہی جانے۔مگر زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو وقت کے بڑے بڑے علماء وصلحاء وداعیان دین متین نے آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اورمراد کو پہنچے بلکہ آخری دور میں آپ کی حیثیت مرجع الکل کی ہوگئی تھی جس کا کچھ اندازہ ان لوگوں کو ہوگا جو حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کے وصال کے بعد رمضان میں خانقاہ محمودیہ مسجد خضر میل وشارم مدراس گئے ہوں گے۔سترہ سال تک یہ سلسلہ قائم تھا اور ہر رمضان شریف میں ہزار ڈیڑھ ہزار کے آس پاس طالبان حق آپ سے فیض حاصل کرتے رہے۔

نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

پیر روشن ضمیر کی صحبت وہ چیز ہے کہ جس کو کہنے والوں نے کہا ہے کہ ''نسبتِ صوفیہ کبریت احمر ست'' ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں :

اگر کوئی شعیب آئے میسر شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

حضرت کے مقام و مرتبہ کا اندازہ حضرت شیخ کے ان خطوط سے ہوتا ہے جو حضرت نے آپ کے نام ارسال فرمائے جس کا انتخاب حضرت کے متذکر الصدر مجموعہ ملفوظات کی ابتداء میں ہے۔اس مختصر تذکرہ میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ چند سطریں حضرت کے ذاتی احوال و کوائف سے متعلق اپنی ناقص معلومات کے تحت لکھی گئیں۔اگر کہیں کوئی غلطی ہو تو واقف کار احباب مطلع فرمائیں،ممنون ہوں گا۔

مضمون کا دوسرا رخ آپ کی سیرت اور اوصاف و کمالات سے تعلق رکھتا ہے۔حضرتؒ کی زندگی میں جو وصف سب سے ممتاز تھا وہ اتباعِ سنت، احیاءِ سنت و اشاعتِ سنت تھا۔قرآن کریم نے ساری انسانیت کو بالعموم اور اہل ایمان کو بالخصوص آگاہ کیا ہے کہ **لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ** . حقیقت میں تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔دوسری جگہ ارشاد ہے: **قل إن کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم**. آپ فرما دیجیے کہ اگر تم کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے تو میری پیروی کرو پھر اللہ تم سے محبت فرمائے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔ یہ چیز ہمارے سلسلہ کے اکابر میں بہت نمایاں تھی۔حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کا اور ہمارے حضرت کا بھی معمول تھا کہ جب بھی کوئی بیعت ہوتا تو سب سے پہلے تلقینِ کلمات کے بعد اس کو معمولات کا پرچہ دیا جاتا تھا جس میں پندرہ ہدایات تھیں۔اس میں نمبر ۳ پر لکھا ہوا ہے ''اتباع سنت کا زیادہ سے زیادہ اہتمام رکھیں۔عبادات میں، اخلاق میں اور معمولات میں اس کی جستجو رکھیں کہ حضور ﷺ کا کیا معمول تھا۔حتیٰ کہ کھانے پینے تک میں مرغوب چیزوں کی تحقیق کر کے اتباع کی کوشش کریں۔اس سلسلہ میں شمائل ترمذی اور اس کے ترجمہ خصائص نبوی ﷺ سے خصوصاً مدد ملے گی۔حضرت خود بھی جملہ اعمال و اقوال و افعال میں اس کی کوشش فرماتے تھے۔آپ کے کردار و گفتار اور ایک ایک عمل سے یہ چیز عیاں تھی۔حضرت ایک شعر ترنم سے اکثر پڑھا کرتے تھے:

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم　　کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

یہ شعر آپ کی ذات پر پوری طرح صادق آتا تھا۔آپ کی ایک ایک ادا سے سنت کا اظہار ہوتا تھا۔اکثر گلزار سنت مؤلفہ میاں سید اصغر حسین صاحب محدثؒ دیوبندی کے حوالہ سے سننِ عبادات وعادات بیان فرماتے اوراس کے مطالعہ کی ترغیب دیتے تھے۔آپ کو دیکھ کر لوگ طریق سنت سیکھتے تھے۔رمضان شریف میں پورے مہینے وضو اور نماز کی سنتوں پر متواتر بیان فرماتے۔کھانے پینے،سونے جاگنے، ملنے ملانے، کہیں جانے آنے، معاملات ومعاشرت، عبادات ہر موقع پر طریقہ سنت کا خاص لحاظ فرماتے اور دوسروں کو بھی اس کی تاکید فرماتے۔آپ کا کوئی وعظ اس تاکید سے خالی نہیں ملے گا۔اکثر پڑھتے تھے

مپندار سعدیؔ کہ راہ صفا　　تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰ

خلاف پیمبر کسے رہ گزید　　کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

اور یہ شعر بھی کیف وحال کے ساتھ پڑھتے جس سے سننے والوں پر ایک کیف چھا جاتا۔

وہ نہ پہنچے گا کبھی اللہ تک　　راہ سنت پر نہ ہو جس کا قدم

کیف روحانی اسے حاصل نہیں　　جو نبی کے عشق میں کامل نہیں

الغرض یہ عنوان بہت طویل ہے اوراس مختصر میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔

دوسری چیز حضرت کی نماز تھی: دیکھنے والوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ حضرت کو نماز کے اوقات کا کس قدر اہتمام تھا۔آپ کی قیام گاہ مہمان خانہ مدرسہ فیض العلوم حیدرآباد میں آپ کی نشست کے روبرو اوقات نماز واذان کی دفتی بالکل تازہ تیار شدہ ٹنگی رہتی تھی اور حضرت اکثر صبح صادق کا وقت مسلسل معلوم کرتے رہتے تھے اور آنے والے متوسلین کو بھی بتلاتے تھے کہ آج کل یہ وقت صبح صادق کا ہے۔اس سے پہلے چند رکعات تہجد پڑھ لیا کریں اور جب تک حضرت کی صحت اچھی رہی، حضرت خود اپنے مریدین کو ہلکی آواز سے جگا دیا کرتے تھے۔سحر خیزی کا معمول شب وفات تک جاری رہا۔کبھی اس میں تخلف نہ ہوا۔سخت سے سخت امراض ہوں، لامبے لامبے اسفار ہوں، کام کی کیسی ہی مصروفیت ہو، رات چاہے آرام کرتے بارہ ایک بجے ہوں مگر اس معمول میں ذرا فرق نہ آیا۔حضرت اکثر بیان فرماتے تھے حکیم لقمانؒ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ

بیٹا مرغ سے زیادہ عاجز نہ بن یعنی وہ تو صبح اٹھ کر خدا کی تسبیح کرے اور تم اشرف المخلوقات ہو کر پڑے سوتے رہو۔نماز کی تیاری بہت پہلے سے فرماتے۔ چاہے کتنے ہی اہم لوگ آئے ہوں، کیسی ہی مصروفیت وسفر میں ہو۔اور اپنے استاذ مولانا اسعد اللہ صاحبؒ کا یہ شعر ترنم سے پڑھتے

گو ہزاروں شغل ہیں دن رات میں لیکن اسعدؔ آپ سے غافل نہیں

باوضواذان سننے بلکہ مسجد میں جاکر اذان سننے کا اہتمام تھا۔اور پھر حضرت کی نماز سبحان اللہ، ہم عاصیوں کی نماز کا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ہم لوگ تو صرف اٹھک بیٹھک کرتے ہیں۔ حضرت پورے خشوع وخضوع اور انہماک واطمینان سے نماز پڑھتے۔دیکھنے والوں کو صاف محسوس ہوتا کہ ہماری اور آپ کی نماز میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔عمر شریف نوے سے متجاوز تھی۔ ضعف بہت ہو چکا تھا مگر اللہ رے ہمت آخر تک بھی اکثر کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے۔آخری رمضان میں بھی فرض اور تراویح کھڑے ہو کر ادا فرماتے اور ہمیشہ امام کے پیچھے ہوتے۔مسجد خضر میل وشارم کافی وسیع مسجد ہے۔معتکف کنارے پر ہوتا۔وہاں سے مصلیٰ تک آنے پر تعب محسوس ہوتا۔احقر نے عرض کیا کہ حضرت آپ بھی حضرت مفتی محمود صاحبؒ کی طرح کنارے پر نماز ادا فرمالیں۔حضرت نے فرمایا کہ نماز پر جو رحمت تقسیم ہوتی ہے،امام کے بعد اول نمبر پر پیچھے پڑھنے والے کو پھر دائیں پھر بائیں۔اللہ اکبر! آخر وقت تک اس کا اہتمام رہا۔

اولائک اٰبائی فجئنی بمثلھم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

تیسرا امتیاز وصف زہد وتقویٰ اور معاملات میں احتیاط: اگر کسی نے دعوت دی تو پہلے سے تحقیق فرمالیتے کہ کیسے آدمی ہیں، کیا ذرائع آمدنی ہیں۔اور پھر جب تک تعلق پرانا نہ ہو جائے کھانے پینے، ہدیہ قبول کرنے میں بہت احتیاط فرماتے۔

چوں شکم را پاک داری زحرام مرد ایماں دار باشی والسلام

حضرت کے معاملات سے متعلق یہ چشم کشا واقعہ ہے کہ احقر نے حضرت کے پاس ہی اپنی تعلیم درس نظامی کی ابتداء کی اور پھر دوران تعلیم ہی بیعت بھی ہو گیا۔نو دس سالہ تعلق کے بعد جب نکاح کا موقع آیا تو حضرت سے درخوست کی کہ آپ نکاح پڑھائیں اور سفر خرچ کے لیے مبلغ سو روپئے پیش کیے۔حضرت نے ہردوئی واپسی پر پورے مصارف کا حساب حتیٰ کہ چائے ناشتہ

اور کرایہ رکشہ وغیرہ، دوران سفر مختلف چھوٹے موٹے اخراجات سب بالتفصیل لکھ کر بھیجے اور مبلغ 17:30 روپئے رقم واپس فرمائی۔ اللہ اکبر! آج حساب کی اتنی باریکی کی طرف کسی بڑے سے بڑے شخص کا دھیان بھی جاسکتا ہے؟ جب کہ تعلق کی وہ انتہاء جس کی تفصیل اوپر آگئی ہے۔ دعوے تو بہت کئے جاسکتے ہیں مگر عملی میدان میں یہ احتیاط ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے۔ پانی جیسی چیز کے بارے میں حضرت کے احتیاط کا یہ عالم تھا کہ کبھی بغیر ٹونٹی کے لوٹے میں وضو نہیں فرماتے تھے کیونکہ سادہ لوٹے یا جگ وغیرہ میں پانی کا اسراف ہوتا ہے۔ حضرت تھانویؒ کا یہ ملفوظ بھی بہت دفعہ سنایا کہ ایک مرتبہ حضرت کو کسی دوا کے آنکھ میں ڈالنے کے لیے دودھ کے چند قطروں کی ضرورت پیش آئی۔ چمچہ میں دودھ لایا گیا اور دوا آنکھ میں ڈالدی گئی۔ حضرت نے جب تھوڑی دیر بعد آنکھ کھولی تو پوچھا کہ وہ چمچہ میں جو دودھ تھا کیا کیا؟ عرض کیا گیا کہ پھینک دیا۔ حضرت نے فرمایا کہ بھائی کیوں پھینکا۔ طوطے کو پلا دیتے۔ حضرت بھی کسی چیز کو ضائع نہ فرماتے۔ کھانے کا بے حد اکرام فرماتے۔ غذا بہت مختصر ہلکی پھلکی تھی۔ اگر مقدار سے زائد ایک لقمہ کے لیے بھی اصرار کیا جاتا تو فرماتے معمولات میں فرق آجائے گا۔ صحت متأثر ہوتی ہے۔ صحت کا خاص خیال رکھتے۔ فرماتے کہ دین ودنیا کے تمام کاموں کی درستگی کا مدار صحت پر ہے۔ فرماتے حدیث میں ہے: **المؤمن القوی خیر من المؤمن الضعیف۔**

چوتھی چیز تعلیم وتربیت کا اہتمام: حضرت کی ساری عمر پڑھنے پڑھانے میں گذری اور اقامتی مدرسہ سے تعلق کی وجہ سے طلبہ کے ساتھ شب وروز سابقہ رہتا تھا۔ حضرت طلبہ کے حق میں بے حد شفیق مربی تھے اور تربیت ونصیحت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ کیونکہ عالِم کی اصلاح عالَم کی اصلاح ہے اور تعلیم سے زیادہ اہمیت تربیت کی ہے۔ تربیت سے مقصود تہذیب نفس ہے جو فرض عین ہے۔ بلکہ تعلیم سے خود بھی مقصود تربیت ہی ہے۔ علم سے مقصود عمل ہوتا ہے۔ طلبہ کے لیے سب سے زیادہ مضر چیز تعلقات کو فرماتے۔ اگر تعلقات کا مرض ہے تو ذہین سے ذہین طالب علم رہ جائے گا۔ اور اگر مزاج میں یکسوئی ہو تو پھر غبی سے غبی طالب علم بھی پار ہو جائے گا۔ بڑے طلبہ کا چھوٹے طلبہ سے میل جول اور تعلق پر سخت تنبیہ فرماتے۔ حضرت شیخ کے واقعات بار بار سناتے کہ میرے والد صاحب نے سترہ برس تک مجھے مجرم قیدیوں کی طرح رکھا۔ کسی سے بات

کرلیتا یا نماز میں ایک سے زائد مرتبہ کسی کے بازو ہوجاتا تو پھر میری خیر نہیں تھی۔ پٹائی ہوتی۔ اللہ نے مجھے عمل کی توفیق دی جس کا پھل اب تک میں کھار ہا ہوں۔ یہ فرما کر شیخ روتے تھے۔ حضرت چھوٹے بچوں کے حلقے کے نگران بھی تھے۔ ان کی حرکات وسکنات پر کڑی نظر رکھتے۔ پروفیسر جامعہ عثمانیہ مولانا عبد الباری ندویؒ کے صاحبزادگان بھی حضرت کی زیر تربیت رہے۔ ایسے سیکڑوں مشاہیر ہیں۔ درس کی تیاری اہتمام سے فرماتے، مطالعہ کرتے، وقت شروع ہونے سے پہلے درسگاہ پہنچ جاتے۔ ہمارے زمانہ میں حمد باری سے شرح جامی تک پڑھاتے تھے۔ دو چار اساتذہ اور بھی تھے۔ کبھی سبق کا ناغہ نہ ہونے دیتے۔ عالم ربانی کی تعریف ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے: **الربانی الذی یربی بصغار العلوم قبل کبارھا.** عالم ربانی وہ کہلاتا ہے جو بڑے علوم سے قبل چھوٹے علوم سکھاتا ہے۔ حضرت چاہتے تو کہیں شیخ الحدیث بن جاتے مگر اخلاص کی بات تھی کہ آپ نے ابتدائی تعلیم پر خاص توجہ کی۔ آپ کے ہزاروں شاگرد آپ کی اسی ٹھوس تعلیم کے نتائج میں بڑی بڑی جامعات میں اونچے مناصب پر فائز ہیں اور حضرت کے حق میں صدقہ جاریہ بنے ہوئے ہیں۔

بس ذرہ کز فروغ رخت آفتاب شد　　بس خاک تیرہ کز قدمت مشک ناب شد
بادے کہ برعذار تو بگذشت روح شد　　آبے کہ ہمنشین لبت شد گلاب شد

پانچویں چیز اصلاح اخلاق: حضرت اکثر اپنے بیان کا آغاز سورہ عنکبوت کی آخری آیت **والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا** الآیۃ اور حدیث پاک: **الدین النصیحۃ** سے فرماتے۔ جس کا خلاصہ مجاہدہ پر آنا ہے۔ جس کا انعام ہدایت کی شکل میں نقد ملے گا اور احسان واخلاص کے حصول کی محنت کرنا جس کا انعام معیت الٰہ کی شکل میں ملے گا اور نصیحت وخیر خواہی ایسی جامع صفت ہے جو اللہ ورسول ﷺ اور حکام دین اور عامۃ المسلمین سب کو شامل ہے۔ البتہ ہر ایک سے اس کا تعلق الگ نوعیت کا ہے۔ پھر حضرت حسب موقع اس کی تشریح وتفصیل بیان فرماتے جو مجملاً سارے ہی دین پر مشتمل ہے۔ بلکہ یہی خیر خواہی کا جذبہ تھا جو آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا جس کو لے کر آپ شہر در شہر گاؤں در گاؤں بستی در بستی زندگی کے طویل حصہ بلکہ آخری وقت تک چلتے پھرتے رہے۔ جہاں مخلصین کا تقاضا ہوتا موسم، صحت، مسافت، اجنبیت

وغیرہ کسی چیز کی پروا کیئے بغیر سفر فرماتے تھے۔ملک کا کوئی صوبہ ایسا نہ ہوگا جہاں حضرت بار بار تشریف نہ لے گئے ہوں۔سعودی عرب، امارات، افریقہ، لندن وغیرہ دور دراز ممالک بھی تشریف لے گئے۔جس کی وجہ سے آپ کا فیض بھی جگہ جگہ جاری ہوا۔آپ کے مواعظ کے مرکزی موضوعات اتباع سنت، اصلاح معاشرت، درستگی اخلاق واعمال، تزکیہ واحسان، اہل تقویٰ کی صحبت، تعلیم دین کی اہمیت تھے۔اخلاق کی درستگی پر بہت زور دیتے۔حدیث پاک میں ہے: **تخلقوا باخلاق الله.** اپنے آپ کواللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مزین کیا کرواور فرمایا: **اکمل المؤمنین ایمانا احسنهم اخلاقاً** ایمان والوں میں سب سے کامل وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔حدیث پاک میں ہے: **انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق** میری بعثت کا مقصد یہ ہے کہ میں تمہارے اخلاق وعادات کوٹھیک کروں اور فرمایا انسان اپنی بد اخلاقی کی بناء پر جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں جائے گا۔اسی طرح وہ اپنے حسن خلق کی بناء پر جنت کے اعلیٰ طبقہ میں داخل ہوگا حالانکہ اس کی عبادات کچھ زیادہ نہ ہونگی۔خود قرآن کریم میں نبیؐ کے اخلاق کی گواہی اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں دی ہے: **انک لعلیٰ خلق عظیم.** بیشک اے پیغمبر! آپ اخلاق کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔شیخ ابو محمد جریری کا قول ہے تصوف ہر قسم کے اچھے اخلاق اندر داخل ہونے اور ہر قسم کے کمینہ اخلاق کے باہر نکل جانے کا نام ہے۔یہی قول حضرت محمد بن علی بن حسینؓ کا اور بہت سے مشائخ کا ہے۔ہمارے حضرت کے نزدیک سب سے اہم چیز اخلاق کی درستگی تھی۔اعمال کی کثرت پر زیادہ نگاہ نہیں رہتی تھی۔عموماً لوگ لمبے لمبے وظائف کو اہمیت دیتے ہیں۔اخلاق کی جامعیت کے بیان کے لیے حضرت ان اشعار کو بھی پڑھا کرتے تھے۔

تخلیہ اخلاق ذمیمہ کے لیے

گر چاہے تو اپنے دل کو آئینہ دس چیز سے خالی کرلے اپنا سینہ
حرص وامل وغضب ودروغ وغیبت بخل وریاء وحسد وکبر وکینہ

اور تحلیہ اخلاق حمیدہ کے لیے

گر چاہے تو ہو منزل قربت میں مقیم نو چیز کرلے اپنے نفس کو تعلیم
صبر وشکر وقناعت وعلم ویقین تفویض وتوکل رضا وتسلیم

ایک خط کے جواب میں احقر کو لکھا کہ بہ نسبت اعمال کے اخلاق رذیلہ کی اصلاح کی فکر کریں۔

چھٹی چیز اہل تعلق کی اصلاح کی فکر: اگر اپنے ملنے جلنے والوں میں کوئی کمزوری معلوم ہوتی تو تنہائی میں بلا کر شفقت سے سمجھاتے اور احوال سے باخبر رکھنے کی تاکید فرماتے۔ اکثر بیان میں فرماتے تھے کہ بیعت برکت کی چیز نہیں ہے کہ بیعت کرلی اور بے فکر ہوگئے بلکہ بیعت سے اصل مقصود اصلاح ہے۔ ہمارے بزرگوں کا یہ طریقہ نہیں رہا کہ صرف برکۃً بیعت کرلی اور بے فکر ہوگئے۔ اس کے بعد نہ پیر کی خبر مرید کو نہ مرید کی خبر پیر کو بلکہ خط لکھنا چاہیے۔ حالات بتلانا چاہیے، ہدایات لیتے رہنا چاہیے۔ حضرت اپنے تعلق رکھنے والوں کی بڑی فکر رکھتے۔ اگر کوئی عرصہ تک نہ ملتا اور نہ خط لکھتا تو دریافت فرماتے بلکہ بلواتے اور متوجہ فرماتے۔ ایسا شیخ فی زمانہ ملنا نادر ہے جو اپنے مریدین پر اس قدر مہربان ہو اور چھوٹی چھوٹی باتوں کی اصلاح کرتا ہو۔ مجھے ایک خط میں لکھا کہ فلاں صاحب کے لڑکے کا (جو حضرت سے تعلق رکھتے تھے) نکاح ہے۔ نکاح میں آنے کا خیال ہے مگر ان کو بتلا دیجئے کہ لڑکی کے گھر نکاح کے وقت صرف پانچ آدمی جائیں اور رخصتی کرا کر لائیں۔ حضرت نے بعض دفعہ اہل تعلق کے نکاح میں بے اصولی پر عین وقت اپنا حاضری کا ارادہ تبدیل فرما دیا اور تشریف نہیں لے گئے جس سے آئندہ کے لیے ان کو بڑی عبرت ونصیحت ہوگئی۔ فرماتے تھے کہ جب حضرت محی السنۃؒ کی صاحبزادی کا نکاح ہوا تو روز تو حضرت اپنے دسترخوان پر مجھے از خود شریک فرمالیا کرتے تھے مگر نکاح کے دن فرمایا کہ آج آپ کھانا اپنی قیام گاہ پر کھائیں تاکہ لوگوں کو شبہ نہ ہو کہ نکاح کے عنوان سے آپ کو بھی دعوت دی گئی ہے۔ نصیحت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔

صحبت احباب ہو سرکار ہو یا دربار ہو بات وہ کہیے بھلا ہو جس میں خلق اللہ کا

چلتے پھرتے ہاتھ پکڑے پکڑے نصیحت فرما دیتے۔ چاہے ایک دو منٹ کیوں نہ ہو۔ آخری زمانہ میں زیادہ زور شرعی ڈاڑھی پر تھا۔ (یہی معمول آخری زمانہ میں حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ اور حضرت شیخ قدس سرہٗ کا بھی تھا)۔ بڑی محبت سے فرماتے کہ آپ دین کے عاشق معلوم ہوتے ہیں جبھی تو ہمارے پاس اللہ کی اور دین کی محبت میں آئے ہیں۔ دیکھئے موت نہ جانے کب

آجائے۔اس کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔اگر اس حال میں حضور ﷺ کا سامنا ہو جائے تو حضورؐ کو کتنی تکلیف ہوگی۔لہٰذا آج ہی نیت کر لیجئے کہ جب تک ڈاڑھی یکمشت نہ ہو جائے نہ ڈاڑھی پر استرہ لگائیں گے نہ قینچی۔چنانچہ اس نصیحت کے بعد کتنے ہی لوگوں کے چہروں پر نور آ گیا۔کہیں کھانے پر تشریف لیجاتے تو فرماتے کہ بھائی جسمانی ناشتہ تو ہوگیا روحانی ناشتہ بھی ہونا چاہیے۔پھر گھر کی عورتوں کو جمع کر کے دین کی بات حسب موقع ومحل سناتے۔نلگنڈہ میں بسا اوقات حضرت نے ایک دن میں تیرہ بیان فرمائے۔اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت اصلاح کے کس قدر حریص تھے۔تعب وتھکن کی پرواہ نہیں تھی۔اکثر پانچ منٹ فرماتے مگر سلسلہ ایسا دراز ہوتا کہ آدھ پون گھنٹہ ہو جاتا پتہ ہی نہ چلتا۔معالج نے زیادہ بات کرنے پر پابندی لگادی تھی۔مگر حضرت کو اصلاح کے جوش میں اس کا خیال نہ رہتا۔

ساتویں چیز حفظ اوقات: حضرت کو جب سے دیکھا کبھی خالی یا لایعنی وغیر ضروری باتوں میں مشغول نہیں پایا۔کثرت سے مطالعہ فرماتے۔اکابر کے احوال وسوانح حیات، ارشادات ملفوظات ومکتوبات بالخصوص حکیم الامتؒ کے مواعظ بکثرت مطالعہ میں ہوتے۔کتابوں کی حفاظت اوراس کے ادب کا خاص اہتمام تھا۔کبھی کوئی کتاب درسی ہو یا غیر درسی (وعظ وبیان کی) بغیر رومال تولیہ کے کہیں نہ رکھتے تھے نہ ساتھ لے جاتے۔اپنے اساتذہ کی اور کتاب کے ادب کی طلبہ کو بھی تلقین وتاکید فرماتے اوراکثر یہ شعر بھی پڑھا کرتے تھے۔

اپنے دل پر نقش کر لو جان من کیمیا ہے خدمت آموز گار

اورآموزگار کی بڑی دلنشین لغوی تشریح فرماتے۔کتابوں پر غالباً جمیل بھائی (حضرت کے عزیز مدرسہ اشرف المدارس کے مدرس کے قلم خوش رقم) سے اپنا اور کتاب کا نام لکھواتے اورنام صرف ''بندہ امیر حسن بہاری'' ہوتا۔برسہا برس کی کتابیں جن پر نصف صدی سے زیادہ عرصہ گذر چکا اچھی صاف ستھری حالت میں ہوتیں۔اہم مقامات پر نشان لگاتے اورحسب موقع ان کو سناتے۔چند سال قبل تک جب کہ صحت اچھی رہی، مستقل کتاب سنانے کا معمول تھا اور چاہے ایک آدمی ہی کیوں نہ ہو مگر کچھ نہ کچھ حسب حال وحسب مقام ضرور سناتے۔کبھی کبھی یہ سلسلہ ایک گھنٹہ سوا گھنٹہ تک دراز رہتا۔اکثر حضرت تھانویؒ کے مواعظ وملفوظات، مولانا شاہ مسیح اللہ خان

صاحبؒ کے ملفوظات، شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ کی معرفتِ الٰہیہ وغیرہ۔ اگر کوئی ادھر ادھر کی بات کرتا تو بطریق احسن موضوع بدل دیتے اور کام کی بات میں لگاتے۔ اپنے اہل تعلق کی جہاں اصلاح وتربیت کی فکر فرماتے وہیں ان کی دلجوئی ودلبستگی کا بھی اہتمام فرماتے تھے۔ جو بھی ملنے آتا تھا کھڑے ہوکر مصافحہ اور معانقہ فرماتے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ ان کے پاس کچھ ہوتا تو ضرور عنایت فرماتے، ہدیہ بھی دیتے۔ کتابیں آتی رہتی تھیں، ان کو بھی ہر ایک کے حسب مذاق ہدیہ فرماتے۔ اگر چائے وغیرہ کچھ کھا پی رہے ہوتے تو اس میں سے اہل تعلق کو اپنا تبرک عنایت فرماتے۔ حج سے واپس تشریف لاتے تو کھجور زمزم عنایت فرماتے۔ اگر کوئی ہردوئی حاضر ہوتا تو اس کی ناشتے کھانے سے تواضع فرماتے۔ عام مشائخ کے برعکس حضرت لیتے کم تھے، دیتے زیادہ تھے۔ سب کو یاد رکھتے۔ ہر ایک کی نام بنام خیریت معلوم کرتے۔ حافظہ اخیر تک مضبوط تھا۔ پرانی پرانی باتیں اور پرانے پرانے احباب کا ذکر خیر کرتے۔ الغرض سیکڑوں خوبیوں کے مالک تھے۔ اب ایسا سراپا شفقت ومحبت مرشد ڈھونڈنے پر بھی نہیں ملے گا۔

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است   رفتم بہ پائے خود کہ بکویت رسیدہ است
ہردم ہزار بوسہ زنم دست خویش را   کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

پراگندی کے عالم میں اور بہت مختصر وقت میں یہ چند بے ربط جملے لکھ دیئے گئے ہیں جو حضرت کے عالی مقام ومرتبہ کے لحاظ سے نہایت بے قیمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت کو بلند درجات عطا فرمائے اور ہمیں آپ کے پند ونصائح اور مواعظ حسنہ وارشادات کو حرز جان بنانے کی توفیق بخشے کہ اب ہمارے درمیان یہی شمع ہدایت ومینارۂ نور ہیں۔

چونکہ گل رفت وگلستان شد خراب   بوئے گل را از کہ جویم جز گلاب

الحمد للہ اولاً وآخراً والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ ظاھراً وباطناً

پیکرِ عجز وانکسار

حضرت قاری امیر حسن صاحبؒ

مولانا احمد علی صاحب مدظلہٗ *
مدرس مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی

یکم ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۴؍فروری ۲۰۱۲ء بروز جمعہ بوقتِ تہجد استاذ العلماء عارف باللہ حضرت مولانا قاری امیر حسن صاحب نور اللہ مرقدہٗ اس دارِ فانی سے رخصت ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون. یہ صدمہ عموماً پوری امت کے لیے اور خصوصاً متوسلین کے لیے بہت بڑا صدمہ ہے، اس پر جس قدر غم ہو کم ہے۔ لیکن دنیا کا نظام ایسا ہی ہے کہ جو آیا ہے اس کو وقتِ مقررہ پر جانا ہے، نہ کوئی رہا ہے اور نہ کوئی رہے گا، سرکارِ دو عالم ﷺ کی ذات جن کی وجہ سے دنیا کو بنایا گیا، وہ ذات بھی دنیا میں نہ رہی تو اور کون رہ سکتا ہے؟ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت قاری صاحبؒ کو بہت طویل زمانہ ۹۰ سال سے زیادہ کا عنایت فرمایا، یقیناً آپ کا وجود بہت بڑی نعمت تھا جو اللہ نے واپس لے لی اور ہم سے قدر نہ ہوسکی، اللہ اس ناقدری کو معاف فرمائے اور ان کو درجاتِ عالیہ نصیب فرمائے اور ان کی صفات سے اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو آراستہ فرمائے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ ہر جانے والا اپنی خصوصیات وکمالات بھی اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سی خوبیوں اور اوصافِ حسنہ سے نوازا تھا، ہم لوگوں کو ان کی صفات کے زندہ رکھنے کی ضرورت ہے۔ کتابوں میں مشائخ حقہ کے جو اوصاف ذکر کئے گئے ہیں ان میں سے ایک ایک وصف آپ کے اندر پورے طور پر موجود تھا، کوئی ایسا وصف نہیں جس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ یہ کم درجہ میں تھا۔ نمازوں کا اہتمام ساری عمر رہا، ہمیشہ باوضو اذان سنتے تھے،

* خلیفہ حضرت قاری امیر حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ

لیکن اخیر عمر میں جب کہ آپ کو سہارے کی ضرورت تھی اس وقت یہ اہتمام اور زیادہ بڑھ گیا تھا کہ نماز سے ایک گھنٹہ قبل تیاری کرتے تھے، کبھی بیٹھ کر نماز پڑھتے نہیں دیکھا گیا، آپ کو اللہ نے ایسی محبوبیت عطا فرمائی تھی کہ اجنبی شخص بھی پہلی ہی ملاقات میں آپ کا گرویدہ اور ہم نوا ہوجاتا تھا، مخالف شخص بھی آپ سے ملاقات کرنے پر مطیع وفرمانبردار ہی نہیں بلکہ آپ کا محبِّ صادق ہوجاتا تھا، آپ کے متعلقین کو اس کا اندازہ وتجربہ خوب ہوگا، آپ کے کن کن اوصاف کو لکھا جائے، تفصیل کا موقعہ نہیں ہے، وہ تو آپ کی سوانح میں ہی آسکتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ:

كن في الدنيا كانك غريب الخ دنیا میں ایسے رہو گویا کہ تم مسافر ہو۔

اس حدیث کی عملی تشریح اور زاہدانہ زندگی اگر دیکھنا ہو تو وہ آپ کی زندگی ہے، بچپن میں گھر سے تعلیم کے لیے نکلے، پہلے جونپور پھر وہاں سے مظاہر علوم سہارنپور میں تعلیم کی تکمیل کرکے مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی تشریف لے آئے اور کم وبیش ۷۰ سال کا زمانہ ہردوئی میں گذار دیا، حضرتؒ کی قیام گاہ اور سامان کو دیکھ کر کوئی یقین نہیں کرسکتا کہ اتنی بڑی شخصیت کی کل پونجی اور سامانِ حیات یہی ہوگا، کتابوں کے علاوہ اگر کوئی سامان ہے تو بقدرِ ضرورت معمولی بستر تین جوڑے کپڑے ایک لوٹا اور پیالہ پلیٹ وگلاس بھی ایک ایک اور پانی کا تھرماس جو سفر میں بھی کام آتا اور ایک دو معمولی سفری بیگ بس یہی سامان آپ کی زندگی کا تھا، کپڑے کبھی اٹیچی وغیرہ میں رکھے ہی نہیں بلکہ ان کو تکیہ کے غلاف میں رکھ لیتے، حالانکہ اللہ نے آپ کو اسباب ووسائل عطا فرمائے تھے، بہت کچھ بنا سکتے تھے لیکن فرماتے تھے کہ راحت کی کوئی حد نہیں ہے، اس زہد وقناعت کے ساتھ ۷۰ سال کا زمانہ گذار دیا، اگر زہد وقناعت کی زندہ تصویر دیکھنی ہو تو آپ کی ذاتِ گرامی تھی، اپنے آپ کو ہمیشہ گمنام ہی رکھا۔

حضرت مولانا رابع صاحب دامت برکاتہم نے اپنے تعزیتی بیان میں فرمایا تھا کہ

> ’’حضرت قاری صاحب کو ہر کوئی نہیں جانتا تھا، ان کے اندر اخفائے حال بہت تھا، اپنے آپ کو کچھ سمجھتے ہی نہ تھے، مولانا بشارت علی صاحب کو مدرسہ اشرف المدارس کا اوّلین نائب ناظم بنایا گیا جو تا حیات رہے، ان دونوں بزرگوں میں باہمی ربط ایسا تھا کہ جس کی مثال بیان نہیں کی جاسکتی، ان دونوں بزرگوں نے اپنے

آپ کو کبھی مستقل نہیں سمجھا اور اپنے آپ کو مٹاتے ہوئے حضرت محی السنہ مولانا شاہ ابرار الحق صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے حوالہ ایسا کر دیا کہ جس کی مثال اس زمانہ میں کہیں نہیں اور نہ بیان کی جاسکتی ہے، یہ دونوں حضرات معاون رہے، ان تینوں بزرگوں کی محنت سے ہردوئی کے مسلمانوں کو صحیح دین ملا، ورنہ ہردوئی میں بہت سی خلافِ سنت رسومات اور خرافات اور ناموافق ماحول تھا، خصوصاً پورے ضلع میں کوئی مدرسہ یا کوئی حافظ و عالم ایسا نہ ہوگا جو ان اکابر ثلٰثہ کے فیض سے بالواسطہ یا بلا واسطہ سے محروم ہو۔''

سیدی حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کو اللہ نے ایسی تواضع وانکساری عطا فرمائی تھی کہ بچپن ہی سے اپنے اساتذۂ کرام میں منظورِ نظر رہے اور سلوک کی راہ میں اولاً حضرت رائپوری بعدہٗ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہما کی نظروں میں ایسے محبوب ہوگئے جس کی حد نہیں۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے حضرت قاری صاحبؒ کو خطوط میں جو کلمات لکھوائے ہیں اس سے ان کی اہمیت وخصوصیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ایک دفعہ حضرت قاری صاحب نے تعطیل رمضان کا زمانہ حضرت شیخ کی خدمت میں گذارنے کے لیے پہلے سے خط لکھ کر اجازت طلب فرمائی، اس پر جو جواب آتا ہے اس میں سے کچھ نقل کیا جا رہا ہے کہ

''آپ جیسے لوگوں کا اعتکاف میں آجانا ہی موجبِ کامیابی اور مجمع کے لیے خیر و برکت ہے، میرے نزدیک تو ان لوگوں کی بڑی قدر ہے جو زیادہ چھپ کر رہتے ہیں، یہ صفت آپ میں پہلے ہی سے موجود ہے، اللہ اور زیادہ فرمائے۔''

ایک خط میں لکھواتے ہیں کہ

''آپ کو تشریف لانے کے لیے اجازت کی بھی ضرورت نہیں، البیت بیتکم جب چاہیں شوق سے تشریف لاویں، آپ کی آمد میرے لیے موجبِ مسرت وفرحت بلکہ موجبِ عزت ہے۔''

ایک خط میں تحریر فرمایا کہ

''یہ سیاہ کار آپ کی محبت کو اپنے لیے ذخیرۂ آخرت اور وسیلۂ نجات سمجھتا ہے،

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے آپ کی اس محبت کو طرفین کے لیے اپنی ترقیات کا ذریعہ اور ذخیرۂ آخرت بنادے۔''

ایک خط میں لکھوایا کہ

''یہ ناکارہ آپ کی محبت اور آپ کے حسن ظن کو اپنے لیے ذخیرۂ آخرت سمجھتا ہے، اللہ جل شانہٗ اپنے فضل وکرم سے آپ کی اس محبت کو طرفین کے لیے ذخیرۂ آخرت بنادے، آپ نے جس محبت کا اظہار فرمایا ہے اس سے بڑی ندامت ہوئی ،کاش یہ ناکارہ اس کا اہل ہوتا، دل سے دعا کرتا ہوں، اللہ جل شانہ اپنے لطف وکرم سے مدراجِ عالیہ نصیب فرمائے ،اپنے قربِ خاص سے نوازے، اس سیاہ کار کے لیے بھی دعا کرتے رہیں کہ اللہ جل شانہ تم جیسے دوستوں کی محبت سے اس سیاہ کار کا انجام بھی درست فرمادے۔''

ان جوابات سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ اپنے مرید کو جب ایسے الفاظ اور ایسی دعا سے نوازے تو مرید کا مقام کیا کچھ ہوگا، انھیں اوصاف کی وجہ سے ہر ایک میں محبوب ہوتے چلے گئے، اب بھی تذکرہ آنے پر آنکھیں نمدیدہ ہوجاتی ہیں، معاصرین میں بھی محبوب رہے، شیخ زادہ محترم حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب دامت برکاتہم بھی ایسا اکرام فرماتے تھے جو بیان میں نہیں آسکتا، ان کے گھر کے اور خاندان و متعلقین کے چھوٹے بڑے افراد بھی اکرام فرماتے تھے اور وصال کے بعد سب پر غم کا اثر نمایاں ہورہا ہے، معاملات میں احتیاط اس قدر تھی کہ بیان نہیں کی جاسکتی، اپنے چھوٹوں کے ساتھ بھی ایسا معاملہ فرماتے جو بڑوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

بہر حال پوری زندگی گمنامی وماتحتی میں گذارنے اور اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کے فیض کو بہت عام فرمایا، ۱۵؍سال تک میل وشارم میں ماہِ رمضان میں جم غفیر آپ سے مستفید ہوتا تھا، خصوصاً جنوبی ہند کے لوگ اور اس طرف کے بڑے بڑے علماء ومشائخ نے آپ سے استفادہ کیا جنوبی ہند کے حضرات کے استفادہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے میل وشارم کے خاص احباب کو منتخب فرمایا کہ اس کا نظم فرمائیں، چنانچہ ان حضرات نے بہت ہی مستعدی اور فیاضی اور خلوصِ دل سے مہمانوں کی خدمت حسبِ مراتب کی جو ناقابل بیان ہے، اللہ تعالیٰ اپنی

شایانِ شان ان حضرات کو دارین میں اس کا صلہ نصیب فرمائے۔

عجلت میں چند باتیں لکھدی ہیں۔ضرورت ہے کہ یہ اوصاف اپنے اندر اتارے جائیں، اللہ تعالیٰ حضرت والا کو بھی اپنی شایانِ شان ہم سب کی طرف سے بہترین بدلہ اور درجاتِ عالیہ سے نوازے، ایسے ہی اہل اللہ کی شان میں کسی نے خوب اشعار کہے ہیں۔ ؎

خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پتلے
نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں ظلِ رحمانی
یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہیں کے اتقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی
انہیں کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے
انہیں کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی
رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں
پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں کو لگے پانی
اؤلئک آبائی فجئنی بمثلھم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

صحت اور فراغت

صاحبو! اصل بات یہ ہے کہ ہمیں زندگی کی قدر نہیں۔اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا احساس نہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ " **نعمتان مغبون فیهما کثیر من الناس الصحة والفراغ** " دو نعمتیں ایسی ہیں کہ ان کے پانے والے اکثر اس سے فائدہ اٹھانے کے بجائے خسارہ میں پڑجاتے ہیں۔ایک صحت :صحت بڑی نعمت ہے،اس کی حفاظت کی بہت فکر کرنی چاہیے۔دوسری چیز حدیث میں "الفراغ" فرمایا ہے.اس میں فراغتِ مالی بھی داخل ہے اور فراغتِ وقت بھی۔فرصت بڑی نعمت ہے،اس کو غنیمت سمجھنا چاہیے اور رضائے الٰہی میں استعمال کرنا چاہیے۔(ماخوذ از ملفوظات)

حضرت مولانا قاری امیر حسن صاحب مظاہریؒ

ایک دُھوپ تھی جو ساتھ گئی آفتاب کے!

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
ناظم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

اللہ تعالیٰ نے انسان کے وجود میں ظاہر کو بھی رکھا ہے اور باطن کو بھی، ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے اور باطن کا اثر ظاہر پر، انسان کے جسم کے اوپر زخم ہوجائے، چوٹ لگ جائے، تو اصل تکلیف تو جسم کے ظاہری حصہ کو پہنچتی ہے؛ لیکن انسان کا دماغ بھی اس کے اثر کو محسوس کرتا ہے اور انسان کا دل بھی اس تکلیف سے بے سکون ہوجاتا ہے، اسی طرح ایک شخص کا جگر متاثر ہوا اور وہ زہریلے مادّہ کو چھاننا چھوڑ دے تو انسان کے جسم کا اوپری حصہ بھی زرد نظر آنے لگتا ہے، آنکھیں بھی زرد پڑ جاتی ہیں؛ اس لیے ظاہر و باطن دونوں کا درست ہونا ضروری ہے اور دونوں کی بیماریوں کا علاج ناگزیر ہے، جیسے جسمانی اعتبار سے انسان کے وجود کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن، اسی طرح روحانی اعتبار سے بھی ایک انسان کا ظاہر ہے اور ایک باطن، جس عمل کے لیے شریعت نے جو طریقہ متعین کردیا ہے اور جو وضع مقرر فرمادی ہے، اس کا تعلق انسان کے ظاہر سے ہے، جیسے: جب نماز پڑھی جاتی ہے تو رُکوع وسجدہ کیا جاتا ہے، جب انسان حج کرتا ہے تو طواف وسعی کرتا ہے، ان افعال کا حق تو یہ ہے کہ ان کو کرتے ہوئے بندہ پوری طرح اپنے مالک کی طرف متوجہ رہے؛ لیکن اگر غفلت و بے توجہی کے ساتھ کوئی انسان ان افعال کو کرگذرے تب بھی ظاہر کے لحاظ سے عمل وجود میں آجاتا ہے، انسان کا باطن اس کا قلب ہے اور قلب کے افعال حرکات وسکنات سے نہیں؛ بلکہ کیفیات سے متعلق ہوتے ہیں، جیسے اللہ کی محبت، ایسی محبت کہ جب وہ عبادت کرے

تو اسے محسوس ہو کہ گویا اس کا خدا اس کے سامنے ہے، ایسی محبت کہ خدا سے ملاقات کا بے پایاں شوق اس کے دل میں موج زن ہو، خدا کے احکام پر عمل کرنے میں اسے لطف آتا ہو، اس کا سینہ خشیت سے معمور ہو، جب وہ کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہو تو اسے ایسا لگتا ہو کہ گویا آگ کے شعلوں کو اس نے اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیا ہے، اس میں بندگی کی ایسی کیفیت پیدا ہو جائے کہ اسے اپنا وجود سب سے حقیر اور کم تر محسوس ہو، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے دُعاء سکھائی: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْرًا وَفِیْ أَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْرًا —— اسی سے انسان کے اندر تواضع، کسرِ نفسی، اللہ کے بندوں کی تعظیم وتوقیر، نرم خوئی اور نرم گفتاری کا مزاج پیدا ہوتا ہے۔

شوق وخوف، اللہ کے لیے محبت ونفرت، تواضع وکسرِ نفسی، خلقِ خدا پر شفقت، اخلاص، ریاء ونمو سے دوری، سنتِ نبوی کی محبت، یہ قلبی کیفیات اور باطنی اعمال ہیں، جو ہر مسلمان سے مطلوب ہیں، انسان جب ان کیفیات سے آراستہ ہوتا ہے تو اس میں خدا کے سامنے آہ وزاری اور مخلوق کے سامنے جھکاؤ وبچھاؤ کی کیفیت اس طرح رچ بس جاتی ہے، جیسے موتیا میں اس کی خوشبو اور گلاب میں اس کی خوش رنگی، ان باطنی کیفیات کو حاصل کرنے کا نام ''احسان'' ہے اور باطن کی بیماریوں کے علاج کا نام ''تزکیہ'' ---احسان ایک مثبت تعبیر ہے، جس کا معنی نفس کو بہتر جذبات اور اعلیٰ اخلاق سے آراستہ کرنا ہے، اور تزکیہ منفی تعبیر ہے، جس کے معنی نفسِ انسانی کو غلبۂ خواہشات کی آلائش سے پاک وصاف کرنا ہے، پھر جیسے قرآن مجید میں ''تشریحِ قرآن'' کا کوئی فنی نام نہیں رکھا گیا؛ بلکہ بعد کو اہلِ علم نے اس کا نام ''علم تفسیر'' رکھا، یا جیسے رسول اللہ ﷺ کے فرمودات ومعمولات کو بعد میں اہلِ فن نے ''علم حدیث'' کا نام دیا، اسی طرح قرآن وحدیث سے اصلاح وتربیت کو اخذ کر کے احسان وتزکیہ کے لیے جو طریقہ وجود میں آیا، اسے ''تصوف'' کا نام دیا گیا۔

پھر ہر فن میں کچھ وہ لوگ ہوتے ہیں، جو پایۂ کمال کو پہنچے ہوئے ہوتے ہیں، کچھ ان سے کم تر درجہ کے ناقص لوگ بھی ہوتے ہیں اور کاملین وناقصین کے ساتھ مزوّرین یعنی دھوکہ باز بھی ہوتے ہیں، دوسرے اور تیسرے درجہ کے لوگوں کی وجہ سے اس فن کی اہمیت وضرورت اور نافعیت وافادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح تصوف بھی ہے، تصوف میں کاملین کم، ناقصین ان سے زیادہ اور یہ تیسرے قسم کے لوگ سب سے زیادہ ہوئے، جنھوں نے تصوف کو شریعت سے

آزاد، اتباعِ سنت کے نور سے محروم اور بدعات وخرافات کا سرچشمہ بنادیا، برصغیر میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، ان کا خاندان اوران کے علمی وفکری اخلاف 'مشائخ دیوبند' کی خدمات کا ایک امتیازی پہلو یہ ہے کہ انھوں نے تصوف کے چشمۂ صافی کو بدعات وخرافات کی گندگیوں سے پاک وصاف کرنے کی بھرپور کوشش کی، زیادہ تر بزرگوں نے تو عملی طور پر اس کام کو انجام دیا؛ لیکن حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فکری اور علمی جہت سے بھی تصوف کے ان اشغال کو ثابت کیا، جو کتاب وسنت کی صراحتوں یا اشاروں سے ثابت ہے اوران اشغال کی نفی میں بھی کسی تکلف کوراہ نہیں دیا، جو مزاجِ شریعت سے ہم آہنگ نہیں تھے، حضرت تھانوی کی ''التشرف'' اور بیان القرآن پر تعلیق ''مسائل السلوک'' اس کی بہترین مثال ہے، یہاں تک کہ دیوبند کے دو چوٹی کے بزرگ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اس سلسلہ میں اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی آراء کو بھی خاطر میں نہیں لائے اور جو باتیں خلافِ شریعت محسوس ہوئیں، ان سے اختلاف فرمایا، تصوف کے سلسلہ میں سلسلۂ ولی اللّٰہی کی خدمات کی اہمیت اس حقیر کو خاص کر اس وقت محسوس ہوئی، جب اس کو ترکی اور مصروشام سے تعلق رکھنے والے بعض سلاسل تصوف کے اشغال ومعمولات کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ۔

حلقۂ دیوبند کی تیسری پشت میں جن مشائخ کو نہ صرف ہندوستان؛ بلکہ پوری دنیا میں پذیرائی حاصل ہوئی اوران کی روشنی نے مشرق سے مغرب تک کے علاقوں کو روشن اور درخشاں کردیا، ان میں ایک حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ تھے، ان کی قیامگاہ طالبین وسالکین کا مرجع وماویٰ بنی رہتی تھی، اس حقیر کے لیے سعادت وخوش بختی کی بات ہے کہ زمانۂ طالب علمی میں اس کی گنہگار آنکھوں نے اس منظر کو دیکھا ہے، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے خلفاء میں بڑی ہی باکمال شخصیتیں گزری ہیں، ان میں ایک ممتاز اور نہایت جلیل القدر شخصیت جن کی طرف دل کھنچتا تھا اور جن کو دیکھنے سے آنکھیں سیر نہیں ہوتی تھیں، سیدی وسندی حضرت مولانا قاری امیر حسن صاحب مظاہری نوراللہ مرقدہ تھے۔

حضرت قاری صاحبؒ اپنے خالق کے پاس جاچکے ہیں؛ لیکن ان کا سراپا آج بھی آنکھوں

میں ایسا بسا ہوا ہے کہ گویا ان کی ذاتِ والا صفات سامنے جلوہ فگن ہے، نہایت کھلا ہوا رنگ، دودھ کی طرح سفید داڑھی، کشادہ اور چمکتی ہوئی پیشانی، آنکھوں سے ذہانت اور خشیت جھانکتی ہوئی، ناک کھڑی، لب بہت باریک سرخی لیے ہوئے، چہرے کا مجموعہ ایسا کہ گویا چاند کا ٹکڑا یا گلاب کا پھول، پانچ کلیوں کی کام دار ٹوپی اور اس پر سفید رومال، متوسط قد وقامت، نحیف ونزار جسم، نازک سی انگلیاں، ہتھیلیاں ایسی کہ جیسے روئی کے گالے، جسم پر سفید جبہ اور سفید شلوار، نصف پنڈلی تک، پورا سراپا سنت کے مطابق، نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو، گفتگو کرتے تو سادہ الفاظ میں؛ لیکن ہر لفظ لوح وقلب پر نقش ہوتا چلا جاتا، خصائل وشمائل کے اس مجموعہ کا تصور کیجئے اور اس پر حضرت قاری صاحبؒ کا نام لکھ دیجئے۔

اس حقیر نے قاری صاحبؒ کا نام تو بہت پہلے سے سن رکھا تھا؛ لیکن پہلی بار زیارت کا شرف اس وقت حاصل ہوا، جب ایک بار مولانا محمد رضوان القاسمی صاحبؒ کے ساتھ ممبئی کا سفر ہوا، جب ٹرین پر چڑھے تو معلوم ہوا کہ حضرت قاری صاحب بھی اسی ٹرین میں ہیں اور گلبرگہ کی طرف رواں دواں ہیں، ہم لوگ اپنی کوچ سے اُترے اور ایک دو کوچ کے فاصلے سے آگے کی کوچ میں سوار ہوئے، وہ بھی سادہ سلیپر کلاس ہی تھا، ایک یا دو رفقاء ساتھ تھے، مولانا محمد رضوان القاسمی صاحبؒ سے پہلے سے تعارف تھا، مولانا مرحوم نے میرا تعارف کرایا اور حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی نسبت ذکر کی، بڑی محبت کا اظہار فرمایا اور قاضی صاحبؒ سے اپنی ملاقات کا بھی تذکرہ فرمایا، تھوڑی دیر کا ساتھ رہا، اسی میں متعدد دُعائیں ذکر فرمائیں، میں نے اسے نوٹ کرلیا، پہلی ہی ملاقات میں عام مزاج کے برخلاف طبیعت کو بڑی خوشی ہوئی اور بے حد محبت واحترام کا جذبہ لے کر واپس ہوا، اس کے بعد جب بھی حضرت کی حیدرآباد تشریف آوری ہوتی، کوشش ہوتی کہ مدرسہ فیض العلوم پہنچا جائے اور عصر کی نماز میں شرکت کی جائے؛ کیوں کہ قاری صاحبؒ کا معمول عصر کے بعد کچھ بیان فرمانے کا تھا؛ مگر یہ ملاقات وزیارت دور دور کی ہوتی، مصافحہ سے آگے گفتگو کی نوبت نہیں آتی۔

اس حقیر کا اصلاحی تعلق حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے تھا، جب آپ کی وفات

ہوگئی تو طبیعت میں تقاضہ ہوا کہ کسی اور بزرگ کے ہاتھ میں ہاتھ رکھنا چاہیئے، اپنی اصلاح سے غافل نہ رہنا چاہیئے، نگاہِ انتخاب مختلف بزرگوں کی طرف اُٹھتی رہی؛ لیکن دل کا سب سے زیادہ میلان حضرت قاری صاحبؒ ہی کی طرف رہا اور اس طرح حضرت سے بیعت کا شرف حاصل ہوا، اس کے بعد حضرت کی شفقتیں بڑھتی گئیں، اکثر حیدرآباد کے سفر کے درمیان غریب خانہ پر تشریف لاتے اور ناشتہ تناول کرکے سرفراز فرماتے، اہلیہ بھی آپ سے بیعت ہوگئیں، اکثر ناشتہ کے بعد تھوڑی دیر خواتین کے لیے پردہ سے بیان بھی فرماتے، جس میں بڑی عمدہ اور خواتین کے لیے مفید نصیحتیں ہوتیں، ایک لطیفہ بھی قابل ذکر ہے، ایک دفعہ لائبریری میں پندرہ بیس مرد حضرات بھی جمع ہوگئے اور پردہ کے پیچھے اڑوس پڑوس کی خواتین بھی، قاری صاحبؒ نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ اس زمانہ میں جو شخص غیر محرم سے اپنی نگاہوں کی حفاظت کرلے اور اپنی بیوی کا ''عاشق'' ہوجائے وہ اللہ کا ولی ہے، میری اہلیہ ازراہِ مزاح ہمیشہ اس جملہ کو یاد دلاتی رہتیں۔

بارہا ایسا ہوا کہ ڈاکٹروں نے قاری صاحبؒ کو کہیں جانے سے منع کردیا، اس حقیر نے درخواست کی کہ خواہش تو ہے کہ غریب خانہ پر تشریف لائیں؛ لیکن آپ کی صحت زیادہ عزیز ہے، فرمانے لگے: تھوڑی دیر کے لیے آجاؤں گا، دوستوں کے یہاں جانے سے طبیعت بحال ہوتی ہے، وفات سے کچھ عرصہ پہلے دہلی میں مولانا محمد ابراہیم مدراسی کے مکان پر مقیم تھے، میں نے قاری صاحبؒ کے حفید سعید مولانا قطب الدین سلّمہٗ کو فون کیا، انھوں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب نے گفتگو سے منع کیا ہے، میں نے کہا: گفتگو کی زحمت نہ دیں؛ البتہ سلام پہنچادیں، جب انھوں نے سلام پہنچایا اور میرے بارے میں کہا کہ وہ فون پر ہے تو قاری صاحب نے فرمایا کہ دوستوں سے گفتگو کی ممانعت تھوڑا ہی ہے، مجھ سے بات کراؤ، پھر کئی منٹ تک گفتگو کرتے رہے؛ حالاں کہ آواز میں ضعف کی وجہ سے میرا جی چاہتا تھا کہ اب بات روک دیں؛ لیکن ادب مانع تھا، یہی حضرت قاری صاحبؒ سے آخری گفتگو تھی، مجھ سے ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ صبح وشام آیۃ الکرسی اور معوذتین پڑھنے کا ضرور اہتمام کرو؛ کیوں کہ یہ حاسدین سے حفاظت کے لیے اکسیر ہے اور جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ عزت وسربلندی اور شہرت وناموری عطا فرماتے ہیں، وہ لوگوں کے محسود بن جاتے ہیں۔

حضرت قاری صاحبؒ کی اس حقیر پر شفقت ومحبت اور لطف وعنایت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ مسائل شرعیہ میں اس حقیر پر بہت اعتماد فرماتے تھے، اِدھر صورتِ حال یہ تھی کہ حیدرآباد میں ان کے متوسلین کے درمیان کوئی نزاع ہو جاتی، ازدواجی یا کاروباری مسائل پیدا ہوتے، حلال و حرام کے بارے میں تحقیق کی ضرورت ہوتی تو عموماً انھیں اس حقیر سے مراجعت کا حکم دیتے؛ بلکہ دہلی، لکھنؤ، ممبئی، علی گڑھ وغیرہ سے بھی قاری صاحبؒ کے حوالہ سے علماء کا بھی اور عوام کا بھی فون آتا رہتا تھا کہ فلاں مسئلہ درپیش ہے، حضرت قاری صاحب نے آپ سے رُجوع کرنے کا حکم دیا ہے، قاری صاحبؒ کے اس اعتماد واعتبار پر مجھے غیر معمولی روحانی مسرت کا احساس ہوتا تھا۔

''المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد'' کو شروع سے قاری صاحبؒ کی دُعائیں اور نیک تمنائیں حاصل رہیں، اس کی مرکزی عمارت کا افتتاح قاری صاحب نے فرمایا اور درسگاہ کا بھی، جب مرکزی عمارت کا افتتاح کیا تو صرف دو منزلیں ایک حد تک مکمل ہوئی تھیں، فرش کا کام ابھی باقی تھا اور صورتِ حال یہ تھی کہ نہ پانی کی سہولت تھی اور نہ لائٹ کی، نہ ٹیلیفون میسر تھا، نہ راستہ تھا، پانی ٹینکر سے منگوایا جاتا تھا، لوگوں کے افتادہ اور ناہموار پلاٹ سے راستہ کا کام پورا ہونا تھا، لائٹ حیدرآباد مینجمنٹ اسکول کی طرف سے ملی تھی اور وہ بھی پورے وقت نہیں، اور وولٹیج بھی بہت کم، ٹیلیفون کی رسائی نہیں تھی، اور موبائل کا نٹ ورک کام نہیں کرتا تھا، لوگ وہاں معہد کی بلڈنگ کی تعمیر کو ایک جنون خیال کرتے تھے اور شاید وہ اپنے خیال میں حق بجانب بھی تھے، یہ پوری صورتحال اس حقیر نے قاری صاحب کے سامنے رکھی، جو طلبہ اس وقت تھے --- اور بڑی تکلیف میں تھے --- قاری صاحبؒ نے ان کو نصیحت فرمائی کہ آپ اس ادارہ کی تاریخ بنارہے ہیں اور تاریخ بنانے والوں کو صبر وثبات قدمی کے مرحلہ سے گذرنا پڑتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے اوّلین رفقاء کی کیفیت تھی، اس لیے آپ حضرات مشقت برداشت کریں گے تو آئندہ نسلوں کے لیے اللہ ساری سہولتیں پیدا فرمادیں گے، پھر بڑے الحاح کے ساتھ ادارہ کے لیے اور اس کی ایک ایک ضرورت کے لیے دُعاء فرمائی اور پھر کچھ اسی طرح یہ ساری ضروریات بہتر طریقہ پر پوری ہوتی گئیں کہ میں آج بھی سوچ کر حیرت زدہ ہوں، سات آٹھ سال کے عرصہ میں چار منزلہ

عمارت مکمل ہوئی، مسجد بنی، درسگاہ کی الگ عمارت تیار ہوگئی، ڈھائی ایکڑ کے قریب زمین حاصل ہوئی، بہترین سڑک بن گئی، لائٹ اور فون کی سہولت مہیا ہوگئی اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ معہد کو جو نیک نامی حاصل ہوئی، وہ اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے کہ نہ صرف ہندوستان کے کونے کونے سے طلبہ یہاں تک پہنچے؛ بلکہ امریکہ، کناڈا، برطانیہ، جنوبی افریقہ، ماریشس، سری لنکا اور بعض دوسرے علاقوں کے طلبہ نے بھی یہاں سے استفادہ کیا، جب کہ بہتوں کو قانونی مسائل کی وجہ سے روکنا پڑا، پھر اس قلیل عرصہ میں جو علمی کام یہاں سے انجام پائے، وہ ستر پچھتر ہزار صفحات سے کم نہیں ہیں، نیز ابھی تک فضلاء کے تیس سے زائد مقالات شائع ہو چکے ہیں، جن میں بعض چھ سات سو صفحات پر مشتمل ہے اور ان کی بڑے بڑے اہل علم نے داد دی، میں ان سب کو حضرت قاری صاحبؒ کی دُعاؤں کا اثر سمجھتا ہوں۔

جب بھی اس حقیر نے معہد کے لیے دعوت دی، قاری صاحبؒ نے قبول فرمایا، بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ ڈاکٹر نے بات کرنے سے منع کر دیا تھا، اس لیے میں نے درخواست کی کہ صرف دُعاء فرمادیجئے اور اساتذہ آپ سے مصافحہ کرلیں؛ لیکن قاری صاحبؒ جب معہد پہنچے تو آدھ گھنٹہ سے بھی زیادہ خطاب فرمایا اور اساتذہ کے علاوہ طلبہ کو بھی مصافحہ کی سعادت بخشی، معہد کے کئی اساتذہ بھی قاری صاحب سے ارادت کا تعلق رکھتے تھے، جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو میں قاری صاحب کو فون کرتا اور دُعاء کی درخواست کرتا، بین الاقوامی قرآن مجید سیمینار کے موقع سے دُعاء کی درخواست کی اور قاری صاحبؒ نے ہاتھ اُٹھا کر دُعاء فرمائی اور ایک دُعاء بتا کر اس کے اہتمام کی بھی تلقین کی، بحمد اللہ یہ سیمینار بڑی کامیابی کے ساتھ منعقد ہوا۔

قاری صاحبؒ سے جب اس حقیر نے بیعت ہونے کی درخواست کی تو یہ بھی عرض کر دیا کہ تھوڑا بہت لکھنے پڑھنے کا مشغلہ رہتا ہے، اور کچھ ملی کاموں میں بھی ہاتھ بٹانا پڑتا ہے؛ اس لیے زیادہ وقت اذکار و نوافل میں نہیں لگا پاتا، قاری صاحب نے فرمایا کہ میں زیادہ مشغول تو نہیں تھا؛ لیکن کمزور تھا؛ اس لیے حضرت رائے پوریؒ نے مجھے حسب سہولت معمولات پر عمل کرنے کی رائے دی تھی؛ چنانچہ اس حقیر کو قاری صاحب نے کلمہ طیبہ اور اسم ذات کو پڑھنے کی اور سنتوں کی حتی

المقدور پیروی کرنے کی تلقین کی اور فرمایا کہ جتنا آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لو، ذکر کی کثرت ان لوگوں سے کرائی جاتی ہے، جو دنیوی کاموں میں مشغول ہوں، علماء جو درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور فتویٰ نویسی وغیرہ میں مشغول ہوں، ان کے لیے حسبِ سہولت اوراد کا پڑھنا کافی ہے؛ البتہ جو بھی کام کرے، اسے اخلاص کے ساتھ انجام دینے کی کوشش کرے--- میں اپنی نااہلی اور کم ظرفی کی وجہ سے زیادہ استفادہ تو نہیں کرسکا؛ لیکن جب بھی قاری صاحب سے ملاقات ہوتی اور کچھ دیر ان کی صحبت میں بیٹھنے کا موقع میسر آتا تو ایک نشاط سا محسوس ہوتا۔

مجھے حضرت قاری صاحبؒ سے باضابطہ پڑھنے اور زیادہ ان کی صحبت میں رہنے کا شرف حاصل نہیں ہوسکا؛ لیکن تھوڑا بہت جو ملاقات کا موقع میسر آیا اس میں ایک سنہرا وقت ''میل وشارم'' میں اعتکاف کا تھا، ایک ہی بار حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، وہ بھی چند روز کے لیے، اس دوران قاری صاحبؒ کا مجاہدہ دیکھ کر حیرت ہوئی، نقاہت اس قدر کہ اُٹھنا بیٹھنا دشوار، آواز پر بھی ضعف کا اثر؛ لیکن پوری تراویح کھڑے ہوکر ادا فرماتے، تراویح کے بعد بیان فرماتے اور اس میں علم ومعرفت کے ایسے نکات آجاتے جو کتابوں میں نظر نہیں آتے ہیں، الفاظ سادہ، لب ولہجہ دھیما؛ لیکن ایسا لگتا تھا کہ ہر لفظ دل کی گہرائیوں میں اُترا جارہا ہے، بار بار آنکھیں آنسوؤں سے وضو کرتیں، اللہ کی محبت بڑھتی اور اتباعِ سنت کا شوق کروٹیں لیتا، اس درمیان اس حقیر کے ساتھ حضرت کی خاص شفقتیں تھیں، قاری صاحبؒ نے منتظمین سے فرمایا کہ میرا انتظام مدرسہ کے کسی کمرہ میں کردیا جائے؛ کیوں کہ مسجد میں بہت اژدحام ہے اور اِن کا اعتکاف نفل ہے، مسجد میں دو معتکف حجرہ کی شکل میں بنے ہوئے تھے، ایک میں حضرت قاری صاحبؒ تھے، اور ایک میں پروفیسر نادر صاحب (علی گڑھ) اور مولانا محمد ابراہیم افریقی، کھانے اور سحری کا خصوصی انتظام قاری صاحب کے حجرہ میں ہوتا تھا، اس موقعہ پر قاری صاحب اپنے ان دو رفقاء کے ساتھ اس حقیر کو بھی یاد فرمالیتے، جس دن واپس ہوا، اس دن اس حقیر کو سو روپے بطور ہدیہ کے عنایت فرمایا اور اپنا واقعہ ذکر فرمایا کہ وہ مدینہ منورہ میں رُک جانا چاہتے تھے؛ مگر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے فرمایا کہ میں تو یہاں مرنے کے لیے آگیا ہوں، پیارے! تم لوگ ہندوستان جاؤ اور وہاں کام کرو، وہاں کام کا موقع بھی ہے اور کام کی ضرورت بھی ہے، پھر مجھے رخصت

کرتے ہوئے سو ریال دیئے اور فرمایا کہ یہ میری طرف سے ہدیہ ہے اور قرض جتنا چاہو لے لو، میں نے کہا کہ یہ ہدیہ میرے لیے تبرک ہے اور قرض کی ضرورت نہیں۔

قاری صاحبؒ کی شفقت وعنایت ہی کا ایک پہلو یہ ہے کہ جب بھی میری کوئی نئی تحریر شائع ہوتی اور اسے آپ کی خدمت میں پیش کرتا تو بڑی حوصلہ افزائی فرماتے اور دُعائیہ کلمات کہتے، جب اس حقیر نے آسان اور عام فہم زبان میں قرآن مجید کے ترجمہ اور حواشی کا کام شروع کیا اور اس کے لیے استخارہ کیا تو خواب میں دو بزرگوں کو دیکھا، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کو اور حضرت قاری امیر حسن صاحبؒ کو، اور وہ اس طور پر کہ میں نے اپنے ہاتھ میں گُڑ کے ڈھیلے لے رکھے ہیں، میں نے اسے حضرت قاری امیر حسن صاحبؒ کی خدمت میں پیش کیا اور انھوں نے میرے ہاتھ سے لے کر حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کی طرف بڑھا دیا، اسے میں نے فالِ نیک سمجھا کہ حضرت قاری امیر حسن صاحبؒ کا اس کو لینا انشاء اللہ اس کی قبولیت کا اشارہ ہے، اور قاری طیب صاحبؒ کا ان کے ہاتھ سے قبول فرمانا گویا علمی اور فکری اعتبار سے اس کی توثیق وتائید ہے، خدا کرے اس کی یہی تاویل ہو اور اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اس کام کو مکمل کرائیں، قاری صاحب سے جب اس کا ذکر کیا تو فرمایا: انشاء اللہ ترجمہ مقبول ہوگا۔

قاری صاحبؒ کی بہت سی باتیں وہ ہیں، جو قلب و ذہن کو متاثر کرتی تھیں؛ لیکن میرے تجربہ میں جو باتیں آئیں، ان کا تذکرہ مناسب محسوس ہوتا ہے، قاری صاحب کا سب سے اہم وصف تواضع اور بے نفسی ہے، بعض علماء ومشائخ کی زبان پر بھی --- تحدیث نعمت کے طور پر --- ایسے فقرے آجاتے کہ جس سے ان کی بڑائی کا اظہار ہوتا؛ لیکن قاری صاحب کے یہاں یہ بات چھو کر بھی نہیں گئی تھی، اگر کبھی کسی نے کوئی تعریف کی بات کہی تو گفتگو کا موضوع بدل دیتے یا اس خوبی کو اپنے بزرگوں کی طرف منسوب فرما دیتے، کئی بار ایسا ہوا کہ خطاب کے بعد جب ملاقات کی تو فرمانے لگے: آپ ماشاء اللہ قضاء وافتاء کا اور تدریس کا کام کرتے ہیں، اگر کوئی غلطی ہوگئی ہو یا کوئی قابل اصلاح بات ہو تو بتا دیجئے، مجھے بے حد شرمندگی ہوتی اور عرض کرتا کہ یہ ناکارہ تو آپ کی مجلس میں اپنی اصلاح اور اپنی غلطی کی اصلاح کے لیے حاضر ہوتا ہے۔

آپ کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، تخاطب کا انداز، ہر عمل تواضع کا مظہر ہوتا، اپنے معاصرین کا ذکر بھی اس درجہ احترام کے ساتھ کرتے، جیسے اپنے اساتذہ کا کیا کرتے تھے، میں نے بار ہا حضرت مولانا ابرار الحق صاحبؒ، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور بعض اور بزرگوں کا تذکرہ ان کی زبان سے سنا، جو عمر اور نسبت کے اعتبار سے ان کے معاصر تھے؛ بلکہ بعض ان لوگوں کا جو عزیز کے درجہ میں ہیں، جیسے حکیم کلیم اللہ صاحب (علی گڑھ)، ان سب کا تذکرہ بے حد احترام اور القاب وآداب کے ساتھ کرتے۔

اسی تواضع کا ایک پہلو یہ ہے کہ جب بھی خطاب فرماتے، اپنے کسی بزرگ کی کتاب سے اس کی ابتداء کرتے، آدھا ایک صفحہ پڑھ کر پھر اس کی تشریح فرماتے۔

قاری صاحب کا مزاج گمنامی اور اپنے آپ کو چھپا کر رکھنے کا تھا، اس کا اندازہ آپ کے بزرگوں کو بھی تھا؛ چنانچہ حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے اپنے ایک مکتوب میں آپ کو لکھا یا: ''میرے نزدیک تو ان لوگوں کی بہت قدر ہے، جو زیادہ چھپ کر رہتے ہیں، یہ صفت آپ میں پہلے ہی سے موجود ہے'' --- رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ اسے بلندی عطا فرماتے ہیں ''من تواضع للہ رفعہ اللہ'' یہی کیفیت حضرت قاری صاحبؒ کی تھی کہ جتنا انھوں نے اپنے آپ کو مٹایا اور اپنے بڑوں کے سامنے اپنے آپ کو جھکایا اور بچھایا، اسی قدر اللہ نے ان کے چھوٹوں کے دل میں ان کی محبت ڈال دی اور اخیر کا زمانہ تو ایسا تھا کہ وہ اصلاح وارادت کی جہت سے ہندوستان کے بڑے بڑے علماء، دانشوران اور دعوت وتبلیغ سے مربوط لوگوں کا مرجع بن گئے تھے۔

قاری صاحبؒ کا دوسرا امتیازی وصف اپنے بزرگوں سے بے حد تعلق، انتہائی درجہ کی محبت اور غیر معمولی عقیدت تھی، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا وصی اللہ صاحبؒ، حضرت شاہ عبد القادر رائے پوریؒ، حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ کے تذکرہ سے شاید ہی کوئی مجلس خالی ہوتی، حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب پرتاب گڑھیؒ اور حضرت خواجہ مجذوب صاحبؒ کے اشعار بھی

کثرت سے سناتے۔

قاری صاحب کا تیسرا اہم وصف سلف صالحین کی طرح تعلق مع اللہ تھا، جب بھی کوئی شخص آتا اور اپنی مصیبت ذکر کرتا تو دُعا کی تلقین فرماتے، اس حقیر سے کئی بار فرمایا کہ جب ہم لوگ ہردوئی میں تھے تو ناظم صاحب (حضرت مولانا ابرار الحق صاحبؒ) نے پہلے ہی تحریر لکھا لی تھی کہ تنخواہ کے مطالبہ کا حق نہیں ہوگا، اتفاق سے اتنی تنگی ہوئی کہ کئی مہینے گذر گئے، اساتذہ کو تنخواہ نہیں مل سکی، اسی دوران شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوریؒ تشریف لائے، ہم لوگوں نے ان کے سامنے صورتحال رکھی، انھوں نے ''**حسبنا اللہ ونعم الوکیل**'' پڑھنے کی ہدایت دی، ہم لوگوں نے پڑھنا شروع کیا، پھر اس کے بعد کبھی ایسی تنگی پیدا نہیں ہوئی، پھر قاری صاحب نے قرآن مجید کے سیاق وسباق سے اس آیت کی اہمیت سمجھائی اور شاہ ولی اللہ صاحب کی تفہیمات الٰہیہ کا بھی حوالہ دیا۔

قاری صاحبؒ کی ایک اہم خصوصیت جس کا اس حقیر کو بارہا تجربہ ہوا، وہ ہے ان کا مستجاب الدعوات ہونا، عام طور پر جو دُعاء فرماتے، وہ قبول ہوتی، معہد کی مالی مشکلات میں بھی ہم نے اس کا تجربہ کیا، تعمیری مسائل اور دوسری ضروریات میں بھی اور بعض گھریلو تقریبات میں بھی، اس سلسلہ میں ایک واقعہ کا ذکر کرنا مناسب ہوگا، میں نے بہت پہلے سستے داموں اپنی قدیم رہائش سے قریب ایک زمین خریدی تھی، جب معہد کا قیام عمل میں آیا اور قبا کالونی کی چڑھائی پر اس کی عمارت بنی تو خیال ہوا کہ اگر اس سے قریب کوئی زمین تعمیر کے لیے مل جاتی تو بڑا اچھا ہوتا، اس وقت ایک نشیبی زمین تھی اور سڑک بھی بنی ہوئی نہیں تھی، اس لیے بہت کم قیمت میں مل گئی، اس کی نشان دہی عزیزی مولانا محمد اشرف علی قاسمی سلمہ (استاذ معہد) نے کی تھی، بہرحال کچھ قرض لے کر میں نے وہ زمین خرید کرلی کہ کبھی سہولت ہوگی تو پہلے کی زمین فروخت کر کے یہاں پر مکان تعمیر کرلوں گا؛ لیکن بہ ظاہر ایسا موقف نہیں تھا، میری ایک کتاب ''کویت'' سے شائع ہوئی تھی، جس کی رائلٹی کے طور پر ساٹھ ستر ہزار روپے ملے تھے، اس میں چالیس ہزار سے اوپر رقم بچی ہوئی تھی، جس سے بنیاد کا کام بھی نہیں ہوسکتا تھا۔

میں حضرت قاری صاحبؒ کو لے کر معہد جارہا تھا، راستہ میں وہ زمین دکھائی اور عرض کیا

کہ مکان بنانے کے لیے لی گئی ہے، دُعاء فرمایئے کہ مکان بن جائے؛ تاکہ میں مدرسہ سے قریب ہوجاؤں، قاری صاحب نے گاڑی رکوائی، زمین کے ناہموار ہونے کے باوجود وہاں تشریف لائے، دیر تک دُعاء فرمائی اور بار بار کہا کہ اے اللہ! غیبی مدد کا معاملہ فرمایئے، پھر مجھ سے کہا کہ تعمیر شروع کرادیجئے، اللہ پورا کریں گے، میں نے عرض کیا: حضرت! میرے پاس صرف چالیس پچاس ہزار روپے ہیں، اس سے تو شاید بنیاد کا کام بھی پورا نہ ہو پائے، قاری صاحبؒ نے فرمایا: آپ کام شروع تو کرایئے، اللہ پورا کریں گے اور وہی پورا کیا کرتے ہیں، اس بات کو انھیں نے ایک سے زائد دفعہ فرمایا، پھر جب مدرسہ سے واپسی ہوئی اور وہاں سے گذر ہوا تو پھر یہی بات فرمائی، مجھے خیال ہوا کہ اللہ کے ایک بندۂ صالح کا بار بار یہ کہنا عبث نہیں ہے، اس میں کوئی مصلحت ضرور ہوگی؛ چنانچہ میں نے کام شروع کرادیا اور مختلف حضرات سے اس طور پر قرض کی بات کی کہ ادائے گی میں تاخیر ہوسکتی ہے؛ لیکن وہ قرض کا مطالبہ نہیں کریں گے، میں اپنی سہولت سے ادا کروں گا؛ چنانچہ اسی وعدہ کے ساتھ متعدد دوستوں نے قرض عنایت کیا، یا تعمیری سامان فراہم کیا اور اللہ کا شکر ہے کہ چھ ماہ یا اس سے کچھ زیادہ میں مکان تیار ہوگیا، بعد کو میں نے اپنی وہ زمین فروخت کرکے جو بہت پہلے خرید کی تھی زیادہ تر قرض ادا کردیا اور مکان بھی میرے ارادے سے بڑھ کر راحت بخش میسر ہوگیا، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور قاری صاحبؒ کی دُعائے مستجاب کا اثر ہے کہ مکان بھی بن گیا اور سوائے ایک قرض کے سارے قرض بھی ادا ہوگئے۔

قاری صاحب کی تواضع، سادگی اور عوامی بیان کی وجہ سے عام طور پر ان کی علمی گہرائی کی طرف ذہن نہیں جاتا تھا؛ لیکن بعض اوقات بڑے علمی مضامین نہایت سادہ انداز پر آپ کے خطاب میں آجایا کرتے تھے، ایسی ہی باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ فرماتے تھے: سب سے زیادہ ادب واحترام اور مباحات میں اطاعت والدین کی ہے؛ کیوں کہ والدین کی اطاعت کا حکم قرآن وحدیث میں صراحتاً مذکور ہے، اس کے بعد اساتذہ کا درجہ ہے، جیسے والدین انسان کی جسمانی نشوونما کا ذریعہ ہیں، اسی طرح اساتذہ معنوی اور ذہنی نشوونما کرتے ہیں، اس کے بعد درجہ شیخ کا ہے؛ لیکن آج کل معاملہ اس کے برعکس ہے، لوگ سب سے زیادہ تعظیم اور اطاعت شیخ کی کرتے

ہیں، اس سے کم اساتذہ کی اور سب سے کم والدین کی۔

ایک بار خواتین سے خطاب کرتے ہوئے تسبیح فاطمی کا ذکر کیا اور فرمایا کہ حضرتِ فاطمہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اُمورِ خانہ داری کو انجام دینے کی مشقت اور تعب کا ذکر فرمایا تھا اور حضور ﷺ نے اس کے مقابلہ میں ''سبحان اللہ ، الحمد للہ ، اللہ اکبر '' کی تسبیحات سکھائیں، اس سے معلوم ہوا کہ اگر خواتین گھر کے کام کاج سے تھک گئی ہوں اور سوتے وقت اِن تسبیحات کو پڑھ لیں تو انشاءاللہ وہ راحت وآرام محسوس کریں گی اور آخرت میں تو اجر ہوگا ہی، حقیقت یہ ہے کہ یہ نکتہ اس سے پہلے میں نے کہیں نہ پڑھا تھا اور نہ سنا تھا۔

یہ بات بار بار فرماتے کہ تصوف ''شریعت کی اطاعت، سنت کی اتباع اور معاملات کی درستگی'' کا نام ہے، تصوف کے بعض اشغال جن کا صراحتاً قرآن وحدیث میں ذکر نہیں ملتا، ان کے بارے میں فرمایا کہ ان کی حیثیت انتظام وتدبیر کی ہے، جیسے دینی تعلیم کی اہمیت ثابت ہے؛ لیکن مدارس کا مروجہ نظام تجربہ اور تدبیر پر مبنی ہے، اس سلسلہ میں حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی حاضری اور گفتگو کا ذکر فرماتے اور کہتے کہ جب ان حضرات نے شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ سے دریافت کیا کہ آپ کے یہاں جو ذکر کی مجلس ہوتی ہے، اس کی کیا اصل ہے؟ تو انھوں نے پہلوتہی سے کام لیتے ہوئے فرمایا کہ آپ لوگ بڑے بڑے کام کررہے ہیں، یہ اتنی صلاحیت نہیں رکھتے؛ اس لیے میں نے ان کی اصلاح کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا ہے، پھر مولانا نعمانی نے بار بار اپنے تردد کا اظہار کیا تو فرمایا کہ یہ بطور علاج وتدبیر کے ہے اور علاج کا تعلق تجربہ سے ہوتا ہے۔

اگرچہ حضرت قاری صاحبؒ کا تصنیف وتالیف سے زیادہ شغف نہیں تھا؛ بلکہ انھوں نے تدریس واصلاح کے ذریعہ خدمت انجام دی؛ لیکن آپ کے ملفوظات ''کلماتِ صدق وعدل'' کے نام سے شائع ہوئے ہیں جو مولانا احمد علی صاحب اور مولانا محمد وسیم صاحب کے مرتب کئے ہوئے ہیں، یہ بڑے ہی چشم کشا اور دل کو چھونے والے ملفوظات ہیں، ایک دفعہ کتاب اُٹھائیے تو جی چاہتا ہے کہ پوری کتاب پڑھ جائیے، اس حقیر نے کئی بار اس مجموعہ کا مطالعہ کیا اور اس طور پر کہ جیسے ایک پیاسا تپش کے ماحول میں اپنی پیاس بجھانے کے لیے بار بار پانی پیتا ہے!

قاری صاحب کا دعوت واصلاح میں بھی اپنا رنگ تھا، میٹھے بول، نرم لب ولہجہ اور مخاطب کے احترام کی پوری رعایت کے ساتھ اصلاح کی کوشش، اس کی کئی مثالیں میری نظر سے گذریں، دو ایسے حضرات جن میں سے ایک داڑھی نہیں رکھتے تھے اور ایک کی داڑھی بہت چھوٹی اور خشخشی تھی ،میرے ملنے والوں میں تھے، یہ میرے ساتھ الگ الگ ملاقاتوں میں حضرت قاری صاحبؒ سے ملے، قاری صاحبؒ نے بڑی محبت کے ساتھ ایک دو جملوں میں نصیحت فرمائی اور انھیں دُعائیں بھی دیں، نتیجہ یہ ہوا کہ اسی دن سے انھوں نے داڑھی رکھنا اور بڑھانا شروع کردیا، نہ بار بار ٹوکنے کی نوبت آئی نہ غصہ کرنے اور برہم ہونے کی۔

ایک بڑے صاحب ثروت شخص تھے، جن کے یہاں اچھا خاصا عملہ کام کیا کرتا تھا، مگر داڑھی نہیں رکھتے تھے، بعض بزرگوں نے انھیں اس گناہ سے منع کیا اور نہی عن المنکر میں کسی قدر درشتی پیدا ہوگئی، جو بعض اوقات مطلوب ہوتی ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ ان صاحب پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا، اتفاق سے بعد میں حضرت قاری صاحبؒ وہاں تشریف لے گئے، اتباعِ سنت پر خطاب فرماتے ہوئے داڑھی کی اہمیت اور داڑھی نہ رکھنے کی وعید کو بیان فرمایا اور ذکر کیا کہ اس کا تعلق قانون سے زیادہ محبت سے ہے، آدمی کو جس سے محبت ہوتی ہے، اس کی ہر چیز محبوب ہوجاتی ہے؛ چوں کہ مجمع میں دونوں طرح کے لوگ موجود تھے، اس لیے فرمایا: لیکن داڑھی رکھنے والے داڑھی نہ رکھنے والوں کو حقیر نہ سمجھیں؛ کیوں کہ انجام معلوم نہیں، پھر مثال دی کہ جب ہندوستان آزاد ہوا اور فرقہ وارانہ جنون اپنی انتہا کو پہنچ گیا تو بہت سے داڑھی والوں نے حالات سے ڈر کر داڑھیاں منڈالیں کہ کہیں قتل کردیا جاؤں، اور بہت سے داڑھی نہ رکھنے والوں نے یہ سوچ کر داڑھی رکھ لی کہ جب مرنا ہی ہے تو مسلمانوں کی صورت پر مریں گے، تو دیکھئے داڑھی نہ رکھنے والے انجام کے اعتبار سے داڑھی رکھنے والوں سے بہتر ثابت ہوئے؛ اس لیے ہوسکتا ہے کہ آج آپ کا کوئی بھائی داڑھی رکھے ہوا نہ ہو؛ لیکن انجام کار وہ دین پر آجائے اور ایک شخص آج داڑھی رکھے ہوا ہے؛ لیکن ہدایت کے بعد گمراہی میں مبتلا ہوجائے، اس لیے کسی بھی مسلمان کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہئے، قاری صاحب کے اس دردمندانہ خطاب کا ان پر ایسا اثر پڑا کہ وہ اپنے تمام عملہ کے ساتھ مجلس کے بعد

حاضر ہوئے، توبہ کی اور عزم کیا کہ آئندہ ہم سب سنت کے مطابق داڑھی رکھا کریں گے۔

''میل وشارم'' میں ایک صاحب آئے، انھیں سورۂ یٰسین یاد نہیں تھی، قاری صاحب نے انھیں اس کی تلقین فرمائی اور پھر اپنی زبان سے انھیں بسم اللہ کے بعد یٰس والقرآن الحکیم پڑھایا اور جب انھوں نے زبانی سنایا تو فرمایا کہ آپ ماشاء اللہ دو آیتوں کے حافظ ہوگئے، کیا عجب کہ حفظِ قرآن کے اجر میں آپ بھی شامل ہوجائیں، آپ اسی طرح روازنہ ایک ایک، دودو آیتیں یاد کرتے چلے جائیں--- قاری صاحبؒ کا یہ محبت آمیز لب ولہجہ اور دردمندانہ اُسلوب دل کو موم بنا دیتا تھا۔

یہ نرم خوئی تو اپنی جگہ؛ لیکن جہاں ضرورت سختی اور درشتی کی ہوتی، وہاں نرم روی کو راہ نہیں دیتے تھے، ایک بڑے عالم کے صاحبزادے کا نکاح تھا، لڑکی والوں کا قاری صاحب سے ارادت کا تعلق تھا، نکاح مدرسہ فیض العلوم کی مسجد میں تھا اور قاری صاحب سے گذارش کی گئی تھی کہ وہ نکاح پڑھائیں؛ لیکن معلوم ہوا کہ لڑکی والوں کی طرف سے کھانے کا انتظام ہے، قاری صاحب کو یہ بات بہت گراں گذری اور آپ نے نکاح نہیں پڑھایا، ایک دوسرے عالم--- جن کو بیرونِ ریاست سے حیدرآباد آنے کی دعوت دی گئی تھی--- انھوں نے خطاب کیا اور خطبہ دیا، نکاح میں، میں بھی شریک تھا، عصر کے بعد نکاح ہوا اور مغرب کے بعد میں قاری صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت تک قاری صاحب پر اس کی ناراضگی قائم تھی، فرمایا کہ علماء بھی ایسی باتوں کو رواج دیں گے اور سنت کے خلاف عمل کریں گے تو عوام کی اصلاح کیسے ہوگی؛ پھر مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا نکاح کے موقع سے لڑکی والوں کی طرف سے کھانا کھلانا ثابت ہے؟ میں نے کہنا چاہا کہ مصنف عبدالرزاق میں روایت موجود ہے کہ حضرت فاطمہؓ کے نکاح کے موقع پر حضور ﷺ نے کھانے کا اہتمام فرمایا تھا؛ لیکن قاری صاحب پر اس وقت ایک جلال کی کیفیت تھی اور چہرہ سرخ ہوگیا تھا؛ اس لیے مجھے زبان کھولنے کی ہمت نہیں ہوئی، میں نے صرف اتنا عرض کیا کہ اس طرح کی رسم بنالینا مناسب نہیں اور خاص کر علماء اور خواص کو تو اس سے بچنا ہی چاہیے۔

قاری صاحبؒ کا سن پیدائش ۱۹۲۶ء ہے، ابتدائی تعلیم مدرسہ کرامتیہ جونپور میں حاصل کی،

۱۳۵۵ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا اور متوسطات سے دورۂ حدیث شریف تک یہیں سے کسبِ فیض کیا، ۱۳۶۳ھ میں فارغ ہوئے اور حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے مشورہ سے ہردوئی میں تدریسی خدمت میں مصروف ہوگئے، آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی مظفر حسین تھا، جو اگرچہ عالم دین نہیں تھے؛ لیکن پابند صوم وصلوٰۃ تھے، زمانۂ طالب علمی ہی میں شاہ عبد القادر صاحب رائے پوریؒ سے بیعت ہوئے، ان کی وفات کے بعد مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے اصلاحی رشتہ قائم فرمایا، ۲۸/رمضان المبارک جمعہ کے دن عصر کی اذان کے بعد ۱۳۸۵ھ میں انھوں نے قاری صاحب کو اپنی خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا، تقریباً ستر سال مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی سے بہ حیثیت صدر مدرس وابستہ رہے اور حضرت مولانا ابرار الحق صاحبؒ کے حسبِ حکم ضرورت کے مطابق اس کی شاخوں میں بھی تعلیم وتربیت کے فرائض انجام دیئے، خاص کر مدرسہ فیض العلوم حیدرآباد میں زیادہ دنوں قیام ہوتا تھا؛ اسی لیے حیدرآباد سے بڑا تعلق تھا، ہر سال کئی بار یہاں ورودِ مسعود ہوتا اور اِن دنوں لوگ کھنچے کھنچے فیض العلوم کی طرف آتے اور آپ کی صحبت سے فائدہ اُٹھاتے، حیدرآباد میں آپ کے تلامذہ اور متوسلین کی بڑی تعداد ہے؛ اس لیے اہل شہر سے خاص اُنس تھا اور معلوم ہوا کہ ممبئی کے آخری سفر میں بھی حیدرآباد آنا چاہتے تھے۔

جیسے حضرت قاری صاحب اپنے بزرگوں سے بے حد محبت رکھتے تھے، اسی طرح وہ خود بھی اپنے بزرگوں کے محبوب اور منظورِ نظر تھے، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب بے حد شفقت کا معاملہ فرماتے تھے اور بہت سی دفعہ اپنے کمرے میں سلاتے تھے، حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے اپنا خصوصی جبہ قاری صاحب کو عنایت فرمایا اور آپ کے بارے میں بڑے بلند کلمات کہا کرتے تھے، انھوں نے ایک خط میں قاری صاحب کو لکھا ہے کہ: ''میرے لیے اعتکاف میں آپ جیسے لوگوں کا آجانا ہی موجب کامیابی اور مجمع کے لیے خیر وبرکت ہے'' ایک خط میں لکھتے ہیں: ''یہ سیاہ کار آپ کی محبت کو اپنے لیے ذخیرہ آخرت اور وسیلۂ نجات سمجھتا ہے'' ایک موقع پر لکھتے ہیں: ''تم جیسے مخلصوں کی آمد کو یہ ناکارہ اپنے لیے موجب سعادت سمجھتا ہے'' ایک خط میں لکھا: ''آپ کو تشریف لانے کے لیے اجازت کی بھی ضرورت نہیں ''البیت بیتکم'' جب چاہیں شوق سے تشریف

لاویں، آپ کی آمد میرے لیے موجب مسرت وفرحت؛ بلکہ موجب عزت ہے‘‘۔

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحبؒ ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ جو چیز اللہ پاک نے آپ کو عطا فرمائی ہے، اس سے بہت سے مجاز بیعت محروم ہیں، حضرت مولانا منور حسین صاحبؒ نے قاری صاحبؒ کو ایک خط میں تحریر فرمایا کہ آپ پر مجھے رشک آتا ہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ آپ سے بے حد محبت بھی فرماتے اور بڑا اکرام بھی کرتے، اور اوقات کی سخت پابندی کے باوجود آپ کو کسی بھی وقت آنے کی اجازت تھی۔

انسان کی زندگی جیسی گذرتی ہے، اس کا خاتمہ بھی اسی طرح ہوتا ہے، قاری صاحبؒ خاص طور پر ہر دُعاء میں حسن خاتمہ کی دُعاء بھی شامل رکھتے؛ چنانچہ خاتمہ بھی ویسا ہی ہوا، جس شب وفات ہوئی، اس روز بھی معمول کے مطابق عشاء کی نماز پڑھی، تہجد کے وقت اُٹھے، ضعف کا غلبہ؛ لیکن طبیعت میں نشاط تھا؛ اس لیے لیٹے لیٹے ذکر کرتے رہے، اچانک طبیعت خراب ہوئی تو دو دفعہ بیعت کے الفاظ دہرائے ’’توبہ کی میں نے کفر سے، شرک سے، فسق سے، اور ہر گناہ سے‘‘ چوں کہ قاری صاحب بیمار کو کثرت سے ’’یا سلام‘‘ پڑھنے کی تلقین کرتے تھے، اس لیے حاضرین نے ’’یا سلام‘‘ پڑھنے کی درخواست کی، انھیں اندازہ نہیں تھا کہ اب دم آخریں آچکا ہے؛ چنانچہ قاری صاحب ’’یا سلام‘‘ پڑھنے لگے، ’’سلام‘‘ اللہ کا نام ہے، اس میں دنیا کی مصیبتوں سے سلامتی بھی شامل ہے اور موت کے بعد کی ابتلاؤں سے حفاظت کی التجاء بھی، اسی کلمہ پر وفات ہوئی اور اخیر وقت تک ہوش وحواس اپنے قابو میں رہے، جو لوگ اس وقت موجود تھے ان کا تاثر ہے کہ وفات کے چند منٹ پہلے سے آپ کی خوابگاہ میں نہایت تیز خوشبو محسوس کی گئی، جو وفات کے بعد بھی کچھ لمحات تک باقی رہی، یہ بہ قول اِن حضرات کے ایسی خوشبو تھی کہ اس جیسی خوشبو کبھی سونگھنے میں نہیں آئی، یہ یکم ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۴؍فروری ۲۰۱۲ء کی تاریخ اور جمعہ کی شب تھی، بہرحال جو شخص اپنی پوری زندگی ہدایت واصلاح کی خوشبو بکھیرتا رہا، وہ اپنے سفر آخرت کے وقت خوشبو بہ داماں تھا اور اس کی زبان پر اپنے خالق ومالک کا نام نامی تھا، جمعہ کی شب، استجابت دُعا کا وقت، توبہ اور اللہ کے نام پر وفات، اس سے بڑھ کر خوش بختی اور حسن خاتمہ کیا ہوگا، اللہ ہم لوگوں کو بھی اس سے سرفراز فرمائیں!

وفات کے دس منٹ کے اندر ہی اس حقیر کو اطلاع ملی؛ حالاں کہ اگر کوشش کی جاتی تو بذریعہ ہوائی جہاز ممبئی پہنچ کر نماز جنازہ میں شرکت کی جاسکتی تھی، مگر دل ودماغ پر ایسا تاثر پیدا ہوا کہ کچھ سوچ بھی نہیں پایا؛ البتہ ایک گنہگار بندہ اپنے بزرگ ومربی کے لیے مالک وپروردگار سے جو دُعائیں کرسکتا تھا، وہ کی گئیں، بار بار یہ احساس ستاتا تھا کہ جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو قاری صاحبؒ کو فون کرکے دُعاء کی درخواست کیا کرتا تھا، ان کی دُعاء اور حوصلہ افزائی کے کلمات سے ایک نیا حوصلہ ملتا تھا، اب جب کوئی مرحلہ سامنے آئے گا تو کس سے دُعاء کی درخواست کروں گا، اللہ تعالیٰ قاری صاحبؒ کے درجات کو بلند فرمائے اور مجھ جیسے کوتاہ عمل اور کوتاہ علم شخص کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

بقیہ صفحہ نمبر ۱۴۹ کا

۱۔ سفلی عمل کرنا اور کروانا۔ ۲۔ غیر شرعی تعویذ گنڈے کرنا۔ ۳۔ غیر شرعی کاموں کے لیے منت مانگنا۔ ۴۔ ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔ ۵۔ مردوں کا ٹخنوں کے نیچے پاجامہ، لنگی پتلون وغیرہ پہننا۔ مردوں کے لیے ٹخنوں کا ڈھانکنا حرام ہے اور عورتوں کے لیے ٹخنے کھلے رکھنا منع ہے۔ ۶۔ نامحرم مردوں اور عورتوں کا بے محابا ملنا جلنا۔ ۷۔ لغو تفریحات میں وقت ضائع کرنا۔ ۸۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن میں فواحشات وشہوانی اور حیا سوز مضامین اور راگ راگنی کا دیکھنا اور سننا۔ ۹۔ سنیما دیکھنا۔ ۱۰۔ جوا کھیلنا۔ ۱۱۔ عورتوں کا بے پردہ رہنا، کھلے سر رہنا۔ ۱۲۔ گلا بازو پیٹھ کھلا رکھنا، باریک لباس پہننا۔ ۱۳۔ شوہر کی امانت میں خیانت کرنا۔ ۱۴۔ دفاتر میں نامحرموں کے ساتھ کام کرنا۔ ۱۵۔ بے پردہ بازاروں میں جانا۔ ۱۶۔ نوجوان لڑکیوں اور لڑکوں کا مخلوط تعلیم حاصل کرنا۔ ۱۷۔ رشوت لینا دینا۔ ۱۸۔ سود لینا دینا۔ ۱۹۔ غیبت کرنا یا سننا۔ ۲۰۔ جاندار تصاویر کا رکھنا۔ ۲۱۔ شوقیہ کتا پالنا۔ ۲۲۔ تقاریب (شادی وغیرہ) میں نمائش وزیبائش کے لیے روپیہ صرف کرنا جو اسراف وتبذیر ہے اور گناہِ کبیرہ ہے۔

اب دعاء کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو کہی اور سنی گئی باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

(آمین)

آہ! میرے شیخ رحمہ اللہ

مولانا محمد فاروق قاسمی*
جامعہ اشرف العلوم محمود آباد اڑیسہ

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا قاری امیر حسن صاحب نور اللہ مرقدہٗ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مہاجر مدنی کے مجازِ بیعت اور حضرت اقدس فقیہ الامت مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہیؒ کے شاگردِ خاص ومنظورِ نظر تھے۔ مظاہر علوم سے فراغت کے بعد ہی حضرت استاذِ محترم نے اشرف المدارس ہردوئی مدرس بنا کر بھیج دیا، تا حیات وہیں کے ہوکے رہے، ولی کامل، مستجاب الدعوات، صاحبِ عزیمت ومقامِ فنائیت پر فائز ہونے کے باوجود صفتِ تواضع کا غلبہ تھا اور راز کار و اعمال میں اخفاء تھا، الحمد للہ سفر وحضر میں حضرت والا کی خدمت میں رہنا نصیب ہوا، قریب سے دیکھنا ہوا۔

ایک مرتبہ کٹک شہر میں قیام تھا، کچھ بڑے علماءِ کرام ملاقات کے لیے آنے والے تھے، بندہ سے فرمایا کہ آنے پر اطلاع کرو، کمرہ میں اپنے ہاتھ سے تکیہ وغیرہ سلیقہ سے رکھ کر دروازہ پر استقبال کے لیے کھڑے ہوگئے، آتے ہی احترام سے بٹھایا، اکثر فرماتے تھے علماء سے خدمت لیتے ہوئے شرم آتی ہے، حضرت اپنے آپ کو ہمیشہ کسی کے حوالہ رکھتے تھے، انہی کے مشورہ پر عمل کرتے تھے۔ فرض نماز با جماعت مسجد میں ادا کرتے، اذان ہوتے ہی مسجد جاتے، بعد ادائے سنت تلاوت فرماتے، جمعہ کی نماز کے لیے اذان سے پہلے مسجد تشریف لے جاتے تھے۔

ایک مرتبہ بندہ ہردوئی سے آپ کو ساتھ لے کر کٹک پہنچا، جمعہ کا دن تھا، نماز میں دو گھنٹے باقی تھے، تھکاوٹ کی وجہ سے لیٹ گئے، مجھ سے فرمایا اذان سے پہلے جگا دینا، بندہ نے دیکھا گہری نیند

* خلیفہ حضرت قاری امیر حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سورہے ہیں ہمت نہ ہوئی، اتنے میں اذان بھی ہوگئی، بیدار ہوکر خفا ہوئے، سرخ ہوگئے، بعد نماز مجھے بلاکر مواخذہ فرمایا کہ آپ سے کہا نہیں تھا کہ اذان سے پہلے جگادینا؟ میں نے کہا حضرت ہمت نہ ہوئی ،تو فرمانے لگے ہم لوگ دوسروں کو نصیحت کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن مسجد جلد جانا چاہیے مگر ہم،خود دیر کریں،اس کا کیا اثر ہوگا؟

اسی طرح حضرت والا ہر عمل میں نماز تلاوت اوردن رات کے تمام معمولات میں سنت کی بڑی پابندی فرماتے اور متعلقین کو بھی اسی کی تاکید فرماتے تھے۔ایک مرتبہ حرم شریف میں بندہ نے ذکر پاس انفاس کے بارے میں پوچھا تو فرمایا اس کی ضرورت نہیں،مسنون دعاؤں کا اہتمام کیجئے۔ حاضرین کو چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے کچھ نہ کچھ نصیحت فرماتے رہتے تھے،اور فرماتے دین کی باتوں میں مقناطیسی کشش ہے، جو جتنا قریب ہوگا اتنا ہی فائدہ ہوگا،اذکار و اعمال میں اخفاء پسند تھا۔

ایک مرتبہ ریل کے ذریعہ حیدرآباد سے کٹک پھر کٹک سے راورکیلا جارہے تھے، رات میں جب سب لوگ سوگئے، بندہ نے دیکھا کہ حضرت مصلی اٹھا کر ایک طرف کونے میں تہجد میں مشغول ہوگئے، بندہ سے فرمایا آپ سو جایئے۔آپ پر ہمیشہ خشیت وفکرِ آخرت کا غلبہ رہتا تھا،دعا میں تضرع کی کیفیت ہوتی تھی ،بارہا دیکھا کہ آنسوؤں کے قطرے موتی کی طرح ٹپکتے تھے،اپنے متعلقین کے سلسلہ میں بڑے فکرمند رہتے تھے کہ ان کی زندگی میں دین آجائے، چہرہ مہرہ،لباس، نماز اورتلاوت سنت وشریعت کے مطابق ہوجائے ،اگر پابند دیکھتے تو بہت خوش ہوتے اور دعا دیتے اوراگر کمی دیکھتے تو حکمت کے ساتھ تنہائی میں نصیحت فرماتے۔

سفر میں رفیقِ سفر سے بڑے بے تکلف رہتے،کبھی بزرگوں کے واقعات اور نحو میر،میزان، گلستان سناتے ،فرمایا کرتے باپ بننا آتا نہیں ،استاذ بننا آتا نہیں، پیر بننا آتا نہیں مگر بن جاتے ہیں، کیسا بھی آدمی ملتا باتوں کو سن کر مانوس ہوجاتا۔فرماتے تھے دنیا میں مسافروں کی طرح رہو، راحت کی کوئی حد نہیں،سادگی اختیار کیا کرو،اصل وطن جنت ہے،قبر اس کی پہلی منزل ہے،اس کے لیے تیاری کیا کرو۔

حضرت والا معاملات میں بھی بڑے صاف ستھرے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تاکید کرتے کہ کسی کا لین دین ہو فوراً صاف کرالو ورنہ آخرت میں یہ کام مشکل ہوگا۔ایک مرتبہ اشرف

المدارس ہردوئی میں بندہ خدمت میں تھا، دیکھا تعلیمی وقت سے دس پندرہ منٹ پہلے درسگاہ تشریف لے جاتے اور درمیان میں کسی ضرورت سے آتے تو کمرہ سے لوٹا نکالا، فارغ ہوکے وضو کیا، پھر واپس درسگاہ چلے جاتے، راستہ میں کوئی مل گئے، صرف سلام ومصافحہ فرماتے اور کہتے وقت امانت ہے، خیانت نہ ہو جائے، اس سے ان کی صفائیٔ معاملات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

بہرحال حضرت والا التقویٰ، طہارت تواضع، صبر وشکر، حلم اور ہر اچھی صفت سے متصف اور کبر وعجب اور دوسرے رذائل سے بہت دور تھے، حقیقی معنوں میں اسلاف کا نمونہ تھے۔ اکثر دعا فرماتے: اے اللہ! اپنے وقت پر کامل ایمان پر خاتمہ نصیب فرما، آخرکار بحالتِ سفر ممبئی میں بوقتِ سحر کلمہ پڑھتے ہوئے رحلت فرماگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اللہ تعالیٰ اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے، قبر کو جنت کا باغ بنائے، جنت الفردوس کا فیصلہ فرمائے، نیز ہم پس ماندگان کی رہبری فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

بڑی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ مے خانہ

علمی وثقافتی دنیا میں ایک نئے مرکز کا قیام

مکتبہ ابن کثیرؒ

مغل پورہ، پانی کی ٹانکی، حیدرآباد

دیوبند کی درسی وغیر درسی تمام کتب پر 60% ڈسکاؤنٹ دیا جائے گا۔

یعنی ایک ہزار 1000 ہزار روپے کی کتابیں صرف چارسو 400 روپے میں ملیں گی۔

ہمارے یہاں لکھنؤ اور دہلی کی ساری کتابیں خصوصی ڈسکاؤنٹ کے ساتھ دستیاب ہیں۔ نیز مشہور علماءِ کرام کے بیانات کی سی ڈیز وغیرہ بھی ہم سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔ تمام مدارس کے طلباء، اساتذہ، علماءِ کرام اور علم دوست احباب سے خواہش کی جاتی ہے کہ تشریف لاکر خدمت کا موقع دیں۔

مزید تفصیلات کے لئے ان فون نمبرات پر رابطہ کیا جاسکتا ہے:

9346603305 , 9989399085

آہ! حضرت مولانا قاری امیر حسن صاحبؒ

مفتی ناصرالدین مظاہری
مدیر ماہنامہ آئینۂ مظاہر علوم سہارنپور

نامور عالم حضرت مولانا محمد حنیف مظاہری کی وفات کا غم، شیخ الحدیث حضرت مولانا خورشید عالم قاسمی کی رحلت کا زخم، مناظر اسلام اور حنفیت کے اہم ستون حضرت مولانا ابوبکر غازی پوریؒ کی جدائی کی کسک اور امام الفرائض حضرت مولانا سید وقار علیؒ کا سانحۂ ارتحال یکے بعد دیگرے ان بزرگوں کی جدائی سے پوری ملت اسلامیہ رنجور اور غموں سے چور تھی کہ آج صبح ہی صبح خبر ملی کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید عبداللطیف پورقاضویؒ کے نامور شاگرد، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمہ اللہ کے خلیفۂ اجل اور محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق ہردوئی رحمہ اللہ کے دست راست اور مظاہر علوم کے فرزندِ ارجمند حضرت مولانا قاری امیر حسنؒ بھی مولائے حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

حصار شب میں گھرے سویرے　　اداسیاں صف بہ صف اندھیرے
وفا کی شمعیں جلاؤ یارو!　　کہ سب در و بام بجھ گئے ہیں

حضرت مولانا قاری امیر حسنؒ کی رحلت ایک عہد کا خاتمہ ہے، آپ سلوک وتصوف کے بلند مقام پر فائز ایک ایسی شخصیت تھے جن کے سوز وسازِ زندگی کی چمک اور آہ سحر گاہی کی برکت سے ایک عالم فیض یاب تھا، آپ کا فیض ہندو بیرونِ ہند کئی ملکوں تک پھیلا ہوا تھا، دنیا کے اکثر ملکوں میں آپ کے معتقدین اور متوسلین موجود ہیں، بیسیوں سال سے آپ رمضان المبارک میں اعتکاف کے لیے مدرسہ مفتاح العلوم خضر آباد، میل وشارم (مدراس) تشریف لے جاتے تھے جہاں کی وسیع وعریض مسجد معتکفین سے بھری اور ذکر الٰہی سے معمور رہتی تھی۔

آپ ۱۹۲۶ء(۱۳۴۳ھ) میں چھپرہ ضلع بہار کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے، والد ماجد کا نام نامی مظفرحسین تھا، ابتدائی دینی تعلیم وہیں کے مکاتب میں حاصل کی، پھر ۱۳۵۵ھ میں مظاہر علوم سہارنپور تشریف لائے اور یہاں کئی سال تک درجہ بہ درجہ حصول علم میں مصروف رہنے کے بعد ۱۳۶۰ھ میں فارغ ہوئے۔ فراغت کے بعد ایک سال فنون میں داخلہ لیا اور تجوید وقراءت، فقہ اور حدیث کی کئی کتابیں پڑھیں، کچھ عرصہ آپ نے سہارنپور کے مشہور طبیب اور اس وقت مدرسہ مظاہر علوم کے سرپرست حکیم مولانا محمد ایوبؒ سے طب وحکمت کی بعض کتابیں پڑھیں۔ مظاہر علوم میں بطور خاص شیخ الاسلام حضرت مولانا سید عبداللطیفؒ، مناظر اسلام حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ، استاذ الکل حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوریؒ، مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی سعید احمد اجراڑویؒ، حضرت مولانا عبدالشکور کیمل پوریؒ وغیرہ کا شمار آپ کے اہم اساتذہ میں ہوتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ جو قاری صاحبؒ کے اہم استاذ اور مشفق مربی تھے، قاری صاحبؒ سے ان کی فراغت کے بعد فرمایا کہ تم ہردوئی چلے جاؤ جہاں مولانا ابرارالحقؒ کام کررہے ہیں، آپؒ حسب ایماء وہاں تشریف لے گئے اور اخیر وقت تک نہایت سادگی بے نفسی اور محنت ومحبت کے ساتھ مدرسہ کی خدمت انجام دیتے رہے، وہاں کے معمولات اور مشاغل دن رات صرف اور صرف درس وتدریس، وعظ ونصیحت، رشدو ہدایت، تنبیہ وتربیت، نگرانی اور عبادت وریاضت تھے، کبھی کسی ملاقاتی کو نصیحت فرماتے تو کبھی کسی طالب کی کسی ادنی درجہ کی غلطی پر نکیر، کبھی کسی استاذ کی اصلاح تو کبھی کسی مہمان کی خاطر ومدارات، کبھی وعظ ونصیحت کا مشغلہ تو کبھی اللہ اللہ کی صدائیں، کبھی مدرسہ کی طرف سے متعلقہ کتابوں کی تدریس تو کبھی کسی اہم اصلاحی کتاب کا مطالعہ، کل ملاکر آپ کی شبانہ روز کی زندگی جہد مسلسل سے عبارت تھی جس میں سمع خراشی، وقت کا ضیاع، فضول گوئی، ہنسی مذاق، دل لگی کسی بھی چیز کا گزر نہیں ہوتا تھا، طلبہ میں آپ کی شخصیت پررعب وپرجلال، علماء میں آپ کی ہیبت اور دبدبہ قابل رشک اور عملہ میں آپ کا کردار بلندی کے افق پر نظر آتا تھا۔

محترم مولانا محمد عبدالقوی صاحب نے حضرت کے چند قیمتی مواعظ کو یکجا شائع کیا ہے، اس

میں لکھتے ہیں:

''ان کا وعظ عبرت انگیز، نصیحت سبق آموز، تنبیہ چشم کشا، مجلسیں دلچسپ، محفلیں علم افزاء اور سراپا جذب وکشش سے بھرپور اور ایک ایک ادا شان محبوبیت سے معمور ہے''

یہ کسی مرید اور ارادت مند کے تأثرات نہیں بلکہ ایک اہم علمی شخصیت کا اظہارِ خیال ہے، جس میں ذرّہ برابر مبالغہ نہیں ہے، قاری صاحب تھے ہی مختلف خوبیوں کے مالک، سب کچھ ہونے کے باوجود کچھ نہ ہونے کا یقین، سلوک وتصوف کا دریا اپنے اندر لیے ہوئے مگر ہیچمدانی کا پختہ تصور، پوری دنیا میں عزت وعظمت اور وقعت ومنزلت سے دیکھے جاتے مگر آپ کی سادگی، آپ کا تواضع، آپ کی کسر نفسی، آپ کی خاموشی، آپ کی نرمی وشفقت، آپ کی محبانہ ومخلصانہ مروّت اور پیار ودلار سے لبریز آپ کے گفتار پر نثار ہونے کو جی چاہتا تھا، ادائیں ایسی پیاری، گفتگو ایسی شیریں، چال ایسی سبک اور چہرہ ایسا تروتازہ کہ دیکھنے والا ٹکٹکی باندھے دیکھتا چلا جائے، وہ علم کے بحر بیکراں، تصوف کے شناور، سلوک کے ناخدا، تربیت کے ماہر اور جذب کی بلندیوں پر فائز عظیم شخص تھے، ان کو ان کی سادگی اور گمنامی میں رہنے کی عادت نے آسمان اور زمین کی وسعتوں میں مقبول کردیا تھا، انہوں نے اپنے آپ کو جتنا مٹایا اللہ تعالیٰ نے انھیں اتنا ہی بلند کیا، تواضع اور فروتنی جس کی تعلیم اور ہدایت نبی کریم ﷺ نے فرمائی تھی اس کا عکس جمیل آپ کی ذات میں جھلکتا تھا، غرور وتکبر کا دور دور تک شائبہ نہ تھا، طلبہ کی اصلاح کے لیے آپ ہر وقت بے چین وبے قرار رہتے تھے جس کا عملی نمونہ مدرسہ کی چہاردیواری میں آپ کی نشست وبرخاست اور آپ کے اصلاحی مزاج سے ہوتا تھا۔

آج صنفِ نازک میں مردوں سے کہیں زیادہ برائیاں پنپ رہی ہیں، ان کا ذہن اور عقل کم ہوتی ہے اس لیے شیطان بھی اپنی رسی بنائے رکھتا ہے جس سے مردوں کو گمراہ کرنے کی راہ شیطان کے لیے آسان ہوجاتی ہے، حضرت قاری صاحبؒ کو اس پہلو پر بھی نہایت درجہ فکر تھی اور اپنے وعظ ونصائح میں بطورِ خاص عورتوں کو بھی مخاطب بنا کر ان میں پیدا ہونے والی خامیوں، خرابیوں اور ان سے رونما ہونے والے فتنوں اور مفاسد کا تذکرہ کرکے ان سے بچنے کے طریقے

اور حکمتیں ارشاد فرماتے تھے۔

آپ کی تقریر عشق الٰہی اور محبت رسول سے لبریز ہوتی تھی، ایک ایک بات دل پر اثر انداز ہوتی تھی، نہ تو مقفع اور مسجع عبارات ہوتی تھیں، نہ ہی عمدہ اور اعلیٰ ادبی اسلوب ہوتا تھا، نہ تو ادیبوں اور شاعروں کی سی ادائیں تھیں، نہ ہی پر جوش واعظین جیسی گھن اور گرج ہوتی تھی، نہایت سادگی کے ساتھ آپ اپنی بات کو عمدہ اور اعلیٰ پیرایہ میں کچھ ایسے کہتے تھے کہ سننے والے کو محسوس ہوتا تھا کہ گویا یہ میرے لیے اور میرے دل کی ترجمانی حضرت والا کی زبانی ہو رہی ہے۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر کرتی ہے   پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

آپ کی خاموشی بھی نصیحت تھی، آپ کی گفتگو بھی نصیحت تھی، آپ کا چلنا پھرنا بھی نصیحت تھا، آپ کا اٹھنا بیٹھنا بھی نصیحت تھا، آپ کا کھانا پینا بھی نصیحت تھا، کیونکہ آپ ہر موڑ اور ہر موقع پر اتباعِ سنت کو حرزِ جاں بنائے ہوئے تھے، ان کی زندگی حدیث نبوی بن گئی تھی اور خود مجنوں کی طرح عشق رسول میں زار و نزار ہو گئے تھے، انھیں اللہ کی بنائی ہوئی ہر چیز میں قدرتِ الٰہی کا نظارہ، احکم الحاکمین کی صناعی کا دیدار اور اس کا عکس و پرتو نظر آتا تھا، ان کی نظریں جو کچھ دیکھتی تھیں ہمارا ادراک اور ہمارے ذہنوں کی رسائی وہاں تک ممکن نہیں ہے۔

صفائے قلب اور شفائے قلب، تزکیہ و تجلیہ، ذکر و اذکار اور سنت و عبادت یہی چیزیں حضرتؒ کی خلوت اور جلوت کی ساتھی تھیں، ان ہی چیزوں سے انھیں پیار اور عشق تھا، ان ہی سے لو لگائے ہوئے تھے، اسی لیے جب کوئی لفظ یا ملفوظ ان کی زبان فیض ترجمان سے نکلتا تھا تو وہ مخاطب پر براہِ راست اثر انداز ہوتا تھا، وہ جو کچھ کہتے تھے دل سے کہتے تھے، جو کچھ بولتے تھے دل سے بولتے تھے زبان تو صرف ایک وسیلہ اور ذریعہ ہے ترجمانی کا، سو حضرت والا نے بھی اس وسیلہ کو اتنا ہی استعمال کیا جتنے کا انھیں حکم تھا، اپنی تقریروں میں مبالغہ آرائی نہیں کی، اپنی تقریر کو خواہ مخواہ طویل کر کے مجمع کو اکتانے کا موقع نہیں دیا، سادہ اسلوب اور صاف گفتگو کر کے سب کو استفادہ کا موقع دیا، الفاظ کی بندش، تراکیب کا استعمال، استعارات کی زبان اور لفاظی کر کے اپنی علمی دھاک بٹھانے کی کوشش نہیں فرمائی، اسی وجہ سے آپ کی تقریر ہر خاص و عام کے لیے نہایت مفید اور فائدہ مند ثابت ہوئی۔

ایک بار پھر مولانا محمد عبدالقوی کا تذکرہ کرنے پر یہ راقم خود کو مجبور پاتا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا قاری امیر حسن صاحبؒ اس دور قحط الرجال میں حق تعالیٰ شانہ کی ایک عظیم اور قابل قدر غنیمت ہیں، اللہ پاک نے آپ کی ذات کے اندر فضائل وشمائل پوری فیاضی کے ساتھ ودیعت فرمائے ہیں، آپ کی بزرگی وپرہیزگاری، اتباع سنت اور استقامت علی الشریعت کے احوال واقوال اس وقت سے کانوں میں پڑے اور علم میں آئے جس وقت میں ان الفاظ کے ظاہری مفہوم تک سے بھی نابلد تھا''

آپ کی صالحیت اور شرافت نفسی مظاہر علوم میں دورانِ طالبِ علمی اساتذہ وعملہ اور طلبہ و علماء سب پر عیاں ہو چکی تھی، مظاہر علوم کا تصوف فقیہانہ ہے، حضرت مولانا قاری امیر حسنؒ کی صالحیت کو دیکھتے ہوئے قطب العالم حضرت اقدس مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس اللہ سرہٗ نے ۲۸؍رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ کو اجازت بیعت وخلافت سے نوازا۔ اس وقت سے اخیر سانس تک زندگی اساتذہ ومرشد گرامی کے دئے ہوئے اسباق کو یاد کرنے اور عملی جامہ پہنانے میں گزار دی اور پھر بھی زبان حال سے یہ کہتے رہے

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

محی السنۃ حضرت مولانا ابرارالحق صاحبؒ کے دینی، دعوتی، تعلیمی اور اصلاحی امور کو شانہ بشانہ انجام دیتے رہے، پوری زندگی ہر دو حضرات نے شیر وشکر ہو کر گزار دی، ورنہ اتنا طویل عرصہ مادّہ پرستی کے اس دور میں کون گزار پاتا ہے۔

اذان جس کی طرف آج کے دور میں غفلت انتہا کو پہنچی ہوئی ہے، اذان کے لیے مؤذن کا تقرر اس کی لیاقت اور صلاحیت کے بغیر ہی کر لیا جاتا ہے، حالانکہ اذان اللہ کے نبی ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق دی جانی چاہئے۔ ہمارے حضرت اقدس قاری صاحبؒ اس سلسلہ میں خصوصی طور پر اپنی توجہ مرکوز فرماتے رہے، اذان کی تعلیم اور تربیت آپ کی زندگی کا ایک حصہ بن گیا اور خدا جانے کتنے بندوں کو اپنی اذان سنت نبوی کے مطابق سیکھنے کی توفیق ملی۔

میری ناقص معلومات کے مطابق حضرت قاری صاحبؒ کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے البتہ

آپ کے دو کتابچے نظر سے گزرے ہیں جن میں پہلا کتابچہ ۱۱۸ صفحات پر مشتمل ہے جس کا نام ''کلماتِ صدق وعدل'' ہے، یہ کتابچہ آپ کے دو ارادت مندوں جناب مولانا احمد علی اور جناب مولانا محمد وسیم نے جمع کیا ہے جس میں آپ کے قیمتی ملفوظات کو سلیقے کے ساتھ یکجا کر دیا گیا ہے۔

دوسرا کتابچہ محترم مولانا محمد عبدالقوی حیدرآبادی مدظلہ کا جمع فرمودہ ہے جو صرف ۲۸ صفحات پر مشتمل ہے، اس کتابچہ میں حضرتؒ کے چند اہم، مختصر اور جامع بیانات ہیں جن کو پڑھ کر روح کو تازگی ملتی ہے۔ اول الذکر کتابچہ میل وشارم سے اور موخر الذکر کتابچہ حیدرآباد سے شائع ہوا ہے۔

حضرت قاری صاحبؒ ایک عرصہ سے رمضان المبارک کا اعتکاف مدرسہ مفتاح العلوم میل وشارم کی مسجد میں فرماتے تھے جہاں ایک بڑا مجمع ذکر وفکر کی مجلس میں شامل ہوکر دل کی دنیا روشن کرتا تھا۔

حضرت قاری صاحبؒ نہایت متقی، پرہیز گار، ملنسار اور خدا رسیدہ بزرگ تھے، اللہ تعالیٰ ان کا نعم البدل عطا فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت والا مظاہر علوم کے قابل فخر سپوت تھے جن کے تقدس اور تقویٰ کی عالم میں شہرت اور مقبولیت تھی، خدا جانے ملت اسلامیہ کو کتنے زخم مقدر ہیں اور کتنی عظیم شخصیات کی جدائی پر ان آنکھوں کو آنسو بہانا لکھا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحبؒ کو جنت الفردوس میں اعلی وبالا مقام عطا فرمائے، ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، ان کے دعوتی مشن، اصلاحی تحریک، تعلیمی کارواں اور روحانی سلسلہ کو جاودانی عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

حضرت قاری امیر حسن صاحبؒ جوارِ رحمت میں

مولانا محمد اسامہ
استاذ شعبۂ افتاء مدرسہ عربیہ تعمیر ملت، علی گڑھ

حضرت مولانا قاری امیر حسن صاحبؒ ان علماءِ عارفین میں سے تھے جن کی زندگی ہی کیا موت بھی ایسی کہ اللہ یاد آجائے، قاری صاحب کی شخصیت ایسی تھی کی نہ دنیا کی چیز پر رنج کا اظہار اور نہ کسی بات کی خوشی ہوتی تھی کہ

رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں
پھریں دریا میں اور کپڑوں کو ہرگز نہ لگے پانی

کے مصداق تھے۔ چنانچہ حضرت قاری صاحبؒ نے ہزاروں، لاکھوں بالواسطہ اور بلا واسطہ تشنگانِ علومِ نبویؐ کی تشنگی بجھائی اور اپنی کیمیائی نظر سے کتنے لوگوں کو خدا کا برگزیدہ بنا دیا اور بجا طور پر ذرّوں کو آفتاب، ظلمت کو ماہتاب، قطروں کو دریا کر دیا، خاک کو کیمیا، مٹی کو سونا اور ادنیٰ کو اعلیٰ بنا دیا۔

درفشانی نے تیرے قطروں کو دریا کر دیا   دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا

حضرت قاری صاحبؒ کے جانے سے دنیا خالی خالی سی لگنے لگی ہے۔ آپ جہاں ایک مشفق استاذ تھے وہیں پائے کے پیر بھی، جہاں ایک صوفی تھے وہیں حکیم بھی تھے۔ اتنی خوبیوں کے حامل شخص کے کون سے پہلو پر نظر ڈالی جائے، بس اتنا کہنا کافی ہوگا کہ تمام اہل حق نے تسلیم کیا کہ وہ عارف باللہ تھے، محی السنہ تھے اور حجۃ اللہ فی الارض تھے۔ (یہ القاب نہ تھے بلکہ اوصاف تھے)

آپ کی ستر سالہ مدرسہ کی زندگی ایک مختصر کمرہ میں گزری، جس کا طول وعرض صرف ایک آدمی کے لیے کافی تھا اور اسی کمرہ میں رہ کر سینکڑوں تشنگانِ علومِ نبوی ﷺ کو سیراب کیا۔ کبھی دیہاتی آرہا ہے، کبھی کوئی سیٹھ آرہا ہے، قاری صاحب کا وہی کمرہ ہے، ہندوستان اور بیرون ہند

کے گوشہ گوشہ سے لوگ سمٹ سمٹ کر آتے تھے، علماء وطلبہ ہی نہیں بلکہ انگریزی داں طبقہ بھی آپ کے پاس آتا تھا اور اپنی اپنی پیاس بجھا کر جاتا تھا۔

ولادت واسم گرامی:

یہ حقیقت ہے کہ انسان مرنے مٹنے اور فنا ہونے کے لیے پیدا ہوا ہے، مگر کچھ انسان ایسے بھی ہیں جو مرنے اور مٹنے کے باوجود بھی تاریخ کے صفحوں اور زندہ انسانوں کے دلوں میں زندہ رہتے ہیں۔ خوش بخت وخوش نصیب صالح انسان وہی ہے جس پر فضل ایسا جو اپنے کمال کو ارزاں کردے اور یہ انسان اسی کمال کی بدولت حیاتِ جاودانی سے شادکام ہوجائے، ان ہی خوش نصیب انسانوں میں بلاشبہ آپ کی شخصیت وذات بھی اس دور میں اللہ کی ایک عظیم نعمت اور رحمت غیر مترقبہ تھی۔ آپ کی ولادت باسعادت بمطابق پاسپورٹ ۱۹۲۶ء ہے۔ آپ کا آبائی وطن بہار کے سیوان چھپرہ موجودہ ضلع سیوان ہے۔

حضرت قاری صاحب نوراللہ مرقدہٗ کا نامِ نامی اسمِ گرامی امیر حسن اور والد محترم کا نام مظفر حسن تھا۔

حلیہ:

درمیانہ قد، رنگ سرخ وسفید مائل بہ گندمی، فراخ پیشانی، گولائی لیے ہوئے چہرہ، سفید داڑھی، سر چھوٹا بھنویں باریک سی، اونچی ناک، دبلے پتلے، سفید لباس میں ملبوس مجموعی طور پر وجیہ باوضع اور باوقار، سفید رومال، گفتار میں نرمی اور خوش اسلوبی، کردار میں حد درجہ خوش خلقی، نرم مزاجی، خوش طبعی، بذلہ سنجی اور ہر دل عزیزی کا سرتاپا نمونہ تھے، ہر ایک یہ محسوس کرتا کہ حضرت سے میرے مراسم سب سے زیادہ ہیں۔

آغازِ تعلیم:

ابتدائی تعلیم پرائمری اسکول میں درجہ سوم تک پڑھ کر دینی تعلیم کی طرف رغبت ہوئی تو اسکول چھوڑ کر قریب کی ایک بستی میں پرانے زمانہ کے طرز کے پڑھے ہوئے مولوی صاحب سے قرآن پاک ودینیات پڑھی، اس کے بعد جونپور محلّہ ٹولہ مدرسہ کرامتیہ میں داخلہ لیا، ابتدائی فارسی

پڑھی، شرح جامی بحث فعل تک پڑھ کر مظاہر علوم سہارنپور میں ۱۳۵۵ھ میں داخلہ لیا اور یہیں پر اوسط سے لے کر اخیر تک مکمل سات برس پڑھا۔

ساتھیوں میں مسابقت:

بلاشبہ اللہ نے حضرت کو صفت تواضع عطا فرمائی تھی، اس کے ساتھ آپ اپنے ساتھیوں میں نیک نام بھی تھے۔ ساتھیوں میں مولانا ثانی حسنی صاحبؒ، قاری صدیق صاحب باندویؒ اور مولانا مرتضی حسن صاحبؒ تھے۔ آپ ہر امتحان میں اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوتے تھے، اور سب ساتھیوں سے گہرے مراسم اخیر تک باقی رہے۔

تعلیمی زمانہ:

دورانِ طالبِ علمی آپ نے اپنی صالح وملکوتی زندگی کو اس طرح پیش کیا کہ طلباء تو طلباء اساتذہ بھی آپ کی طرزِ زندگی سے بہت متأثر تھے۔ یہاں تک کہ قاری صاحب نور اللہ مرقدہ کے بارے میں آپ کے اساتذہ کا کہنا تھا کہ قاری صاحب کو تعلق مع اللہ حاصل ہے، اطاعتِ کاملہ حاصل ہے، ایسی اطاعت جس کا نمونہ بہت کم دیکھنے کو ملتا ہے، آپ کو اس زندگی میں جتنے اساتذہ اور شیوخ ملے بحمد اللہ وہ سب بھی کامل تھے، جس کا اثر یقیناً پڑنا ہی تھا۔

سلوک واحسان:

ہمارے حضرت قاری صاحبؒ کو جہاں علومِ ظاہرہ شرعیہ میں درک وکمال حاصل تھا وہیں تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن کا شوق وفکر بھی ہمیشہ دامن گیر رہتا تھا، شیخ کامل کی تلاش اور جستجو میں بیتاب وبیقرار تھے۔ ؎

یہی دردِ دل مری جان ہے مرے چارہ گر نہ مٹا اسے
جو بڑھا سکے اسے اور بھی مجھے اس دوا کی تلاش ہے

چنانچہ اس تلاش وجستجو کی تڑپ اور کرب کے نتیجہ نے آپ کو رائے پور کی طرف رخ کرنے پر مجبور کر دیا، چنانچہ رائے پور تشریف لے گئے، ملاقات ہوئی تو حضرت رائے پوری نے قاری

صاحبؒ کے رفیق عبدالمنان صاحب سے پوچھا کہ ان کو کیوں لائے ہو؟ پھر حضرت رائے پوری نے فرمایا کہ میرے پاس تو دیہاتی آتے ہیں، برجستہ ہمارے حضرت قاری صاحبؒ نے فرمایا کہ میں بھی دیہاتی ہوں۔ پھر بیعت کی درخواست کی تو حضرت نے بیعت فرمالیا اور چونکہ ابھی طالبِ علمی کا دور تھا اس لیے صرف ایک تسبیح درودِ شریف پڑھنے کی تلقین فرمائی، حضرت نے مسلسل خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھا۔ اسی اثناء میں حضرت رائے پوری کا وصال ہوگیا۔ حضرت کے وصال کے بعد حضرت مولانا زکریا صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے تجدید بیعت کی۔

خلافت:

۲۸ ؍رمضان ۱۳۸۵ھ بروز جمعہ بوقت اذانِ عصر شیخ نے قاری صاحب کو بذریعہ بھائی ابوالحسن بلوایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ "جبہ" پہنو اور چونکہ وہ جبہ حضرت کا مستعملہ تھا جس میں بے انتہا خوشبو تھی، جو کئی ماہ رہی، حسبِ ارشاد مربی پہن لیا، پھر فرمایا کہ میں آج سے تمہیں بیعت کی اجازت دیتا ہوں، یہ امانت ہے حفاظت کرنا! (ایسی حفاظت کی کہ دنیا آج تک شاہد ہے کہ کبھی بھی اس کی حفاظت سے غفلت نہیں برتی) حضرت قاری صاحبؒ نے فرمایا کہ اس معاملہ کے بعد حیرت کی انتہا نہ رہی، سکتہ میں آگیا اور شام تک مبہوت سا رہا، حتی کہ بخار کی کیفیت طاری ہوگئی۔ (مکتوبات زکریا میں لکھا دیکھا کہ خلافت میں نے دو لوگوں کو دی ہے، ایک منور دوسرے امیر حسن کو)

تدریسی خدمات:

مدرسہ مظاہر العلوم سے فارغ ہونے کے بعد بہ مشورہ حضرت مفتی محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہٗ ۱۳۶۳ھ میں مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی میں تدریسی خدمات کا آغاز کیا اور تادم آخر اسی منصب پر فائز رہتے ہوئے جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔ ۷۰؍سال ۲؍ ماہ مدرسہ اشرف المدارس میں تدریسی خدمات انجام دی۔

تقویٰ و خدا پرستی:

یہ بات تو ضرب المثل کی حد تک بولی اور سنی جاتی ہے کہ "گھر کی مرغی دال برابر ہوتی ہے" بخدا ان آنکھوں نے دیکھا اور کانوں سے سنا آپ کی توقیر و تکریم و تقدیس جس طرح باہر ہوتی تھی

اس کہیں زیادہ اپنے وطن عزیز میں ہوتی تھی اوراس طرح کا معاملہ منجانب اللہ ہوتا ہے۔آپ کے اخلاقِ حمیدہ اظہر من الشمس ہیں، ہمیشہ خموشی گوشہ نشینی میں اسلام اوراہل اسلام کی خیرخواہی اور قال اللہ وقال الرسول میں صرف فرمائی،خود بھی پابندِشریعت اوراپنے احباب کو بھی اس کا پابند بناتے تھے۔

کہ وہم تھا کہ نہ ہونگے وہ کسے تھا گمان کہ رہیں گے ہم
ظفر آہ کیسے گئے وہ کہ چراغِ دل ہی بجھ گئے

غرض آپ کی ذات نام ونمود سے دور، بدعات سے بیزار،خلوت کی دلدادہ، ایسا اخفاء کہ ناقابل بیان، اکثر قاری صاحب نوراللہ مرقدہٗ پڑھا کرتے تھے۔ ؎

زفرق تا بقدم ہر جا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جاں ایں جاست

کی سراپا تصویر نظر آتے تھے۔

عقدِ نکاح:

نکاح باجازت حضرت شیخ مولانا زکریا صاحب نوراللہ مرقدہٗ زمانہ طالب علمی میں ہوگیا تھا، آپ کے صلبی دولڑکے اورایک لڑکی تھی۔جن میں ۲ رلڑکوں کا انتقال ہوگیا،اب صرف لڑکی بقیدِ حیات ہیں۔اس لڑکی سے آپ کے تین نواسے، دونواسی اور تین پوتے، ایک پوتی اور بہو حیات ہیں۔

وفات:

یکم ربیع الآخر ۱۴۳۳ھ مؤرخہ ۲۴ رفروری بوقتِ تہجد جمعہ کی شب ایک ہنگامہ خیز رات کا آخری حصہ اور قیامت خیز منظر تھا، کسی کے بھی ذہن میں نہیں تھا کہ دفعتاً سب پر یہ پہاڑ ٹوٹ پڑا، دل و دماغ ماؤف ہوگئے ،کوئی اس خبر کو ماننے کو تیار نہیں تھا،معلوم ہوا کہ دل مانے یا نہ مانے حقیقت میں ایک عالم بے مثال عالَمِ فانی سے رخصت ہو چکا ہے۔ چراغ گل ہوگیا، دل بجھ گئے ،چاند چھپ گیا،سورج غروب ہوگیا اور دنیا پر اندھیرا چھا گیا،بجلی گرگئی ،غم کے بادل چھا گئے ،کتنے دلوں کے ارمانوں کا خون ہوگیا،مصروف ومشغول کتنے لوگوں کا ٹھاٹے مارتا سمندر جوق در جوق اور چڑٹاور میں پہنچ رہا تھا، خاص کر علماء کی تعداد بہت زیادہ نظر آرہی تھی، بالخصوص مولانا طلحہ صاحب صاحبزادہ حضرت شیخ زکریاؒ،مولانا عبدالحق صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند اور بھی بڑے

اکابر علماء موجود نظر آرہے تھے، بلکہ ہر آدمی کی زبان پر تھا۔

آ عندلیب مل کر کریں آہ وزاریاں　　تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

پھر کوئی کہہ رہا تھا۔

بجھ گیا دل حیات باقی ہے　　چھپ گیا چاند رات باقی ہے

اس حج سے قبل یہ امید نہیں تھی کہ حضرت حج کو بھی جاسکیں گے مگر حج کے لیے تشریف لے گئے ،طبیعت حج کے بعد اتنی مطمئن ہوگئی کہ اب تو حیات میں ایک سال کا اضافہ ہوگیا ہے، کیونکہ عام تعلق رکھنے والوں کے ذہن میں تھا کہ انتقال بھی مدینے میں ہوگا ،مگر حیات کا معاملہ پوشیدہ ہے، اللہ کو ہی معلوم ہے۔۴؍بجے صبح ۲۴؍فروری ۲۰۱۲ء یکم ربیع الآخر کو طبیعت اچانک بگڑنا شروع ہوگئی اور کچھ ہی دیر میں مقامی ڈاکٹروں نے معائنہ کیا اور حضرت کے چہرہ پر ابدی سکون دیکھ کر جواب دے دیا کہ اب حضرت اس دنیا میں نہیں رہے۔ چہرہ پر اس قدر نور تھا جو دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا، دیکھنے کو بار بار جی چاہتا تھا۔ حسبِ سعی ۲؍بج کر بیس منٹ پر نمازِ جنازہ کا اعلان ہوا۔ اور حضرت کے خلیفہ و پوتے مولوی قطب الدین صاحب نے اور چڈٹاور کے گراؤنڈ میں نماز پڑھائی۔ اس طرح ایک عارف باللہ رخصت ہوگیا۔

تدفین:

شہر بمبئی میں قبر کا معاملہ بڑا اہم ہے، مگر حضرت کے لیے نہایت خوش اسلوبی سے خلجی خاندان کے لوگوں نے بخوشی و رغبت یہ کہہ کر جگہ دی کہ ہمارے شہر میں ایک ولی کی تدفین ہوگی، بعد نماز جمعہ تین بجے تدفین عمل میں آئی۔

آسمان ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے　　سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

تلامذہ وخلفاء:

حضرتؒ کے تلامذہ و مریدین کا شمار نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہے، البتہ خلفاء کی تعداد دو قسم پر ہے، مجاز صحبت ۲۴؍اور مجاز بیعت ۲۵ ہیں ۔ان کی مکمل فہرست حضرت کے خلیفہ مولانا احمد علی صاحب استاذ حدیث مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی کے پاس محفوظ ہے۔

ایک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی
خادم خانقاہ نقشبندیہ رحمانیہ، مالیگاؤں ضلع ناسک

۲۵ر فروری سنیچر کے دن برادرم مفتی محمد حسنین محفوظ نعمانی مدظلہٗ کا فون آیا، سلام و دریافتِ خیریت کے بعد انھوں نے پوچھا: حضرت قاری امیر حسن صاحب کے بارے میں خبر ملی؟ یہ جملہ سنتے ہی دل دھڑک اٹھا، نفی میں جواب پاکر انھوں نے خبر وحشت اثر سنا ہی دی کہ جمعہ کے دن حضرت قاری صاحب کا بمبئی میں وصال ہوگیا اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔ بے ساختہ زبان سے إنا لله وإنا إليه راجعون نکلا، دل وفورِ غم سے لبریز ہوگیا، عشاء کے بعد ہفتہ واری درسِ قرآن تھا، کسی طرح طبیعت کو آمادہ کر کے درسِ قرآن دینے گیا، درسِ قرآن کے بعد ان کے وصال کا اعلان کر کے ان کے لئے تمام شرکائے مجلس نے دعائے مغفرت و رفعِ درجات کی۔ لوٹ کر گھر آیا اور تنہائی ملی تو یادوں کا سفر شروع ہوگیا۔ ان کا سراپا نگاہوں میں پھرنے لگا، ان کی خصوصیات اور کمالات کے نقوش تازہ ہوتے رہے، آہ! کیسا بابرکت وجود ہمارے درمیان سے اٹھالیا گیا اور کیسی عظیم شخصیت داغِ مفارقت دے گئی!!! جو نہیں جانتے وہ تو نہیں جانتے؛ لیکن ہم جیسے جو ان کی شخصیت سے واقفیت کا گمان رکھتے تھے دل کا یہ احساس ہے کہ انھوں نے بھی قاری صاحب کو پوری طرح نہ پہچانا، فنائیت و تواضع کی چادر نے انہیں ڈھانپ رکھا تھا اور اسی میں لپٹے ہوئے وہ ربِ کریم کے جوارِ رحمت میں حاضر ہوگئے۔ **اللّٰهم لا تحرمنا أجره ولا تفتننا بعده.**

داغِ فرقتِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی ایک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

یادش بخیر! ۱۹۹۷ء میں والد محترم مولانا محفوظ الرحمٰن قاسمیؒ (سابق شیخ الحدیث مدرسہ بیت

العلوم، مالیگاؤں) کا سانحۂ ارتحال پیش آیا، اس وقت راقم الحروف مدرسہ بیت العلوم میں زیرِ تعلیم تھا۔ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ کے خاص ایماء اور خالِ معظم مولانا محمد شعیب مظاہریؒ (مجازِ صحبت حضرت شاہ صاحبؒ) کے اصرار پر مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی میں تعلیمی سلسلے کو آگے بڑھانے کے لئے حاضر ہوا اور سال بھر وہاں کی مبارک اور نورانی فضا میں رہ کر قرآن مجید کے اکیس پارے حفظ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہیں حضرت قاری صاحبؒ کی زیارت کی، دبلا پتلا جسم، سفید نورانی لمبی داڑھی، بہت ہی سادہ لباس، کم گو، کم آمیز، نگاہ ہمیشہ نیچی، آواز بہت ہی نرم اور پیاری، باوجود اس کے کہ میں بہت کم عمر تھا اور ان کی عظمت اور قدر و قیمت سے ناآشنا؛ لیکن انہیں بار بار دیکھنے اور دیکھتے رہنے کو جی چاہتا تھا۔ میں درجۂ حفظ کا طالبِ علم تھا اور وہ درجہ عالمیت میں درس دیتے تھے، اس لئے بہت کم براہِ راست گفتگو کا موقع ملا لیکن بعد نماز عصر مدرسہ کے احاطے میں منعقد ہونے والی اصلاحی مجالس میں ان کی بیش قیمت گفتگو سننے کی سعادت بار بار حاصل ہوئی۔ عام معمول یہ تھا کہ حضرت تھانویؒ کی کوئی کتاب اپنے دستِ مبارک میں رکھتے اس کا کچھ حصہ پڑھ کر سناتے، پھر تھوڑی سی تشریح فرماتے، کہیں عبارت مشکل ہوتی تو اسے آسان کر کے بیان فرماتے، اس دور کی جو مٹی مٹی یادیں حافظے کی امانت ہیں اسے زندگی کا سرمایہ سمجھتا ہوں، ان سے سنی ہوئی باتیں کل تک نصیحت تھیں اور آج وصیت ہیں، قابلِ قدر بھی، لائقِ عمل بھی!

حضرت قاری صاحبؒ نہ بے مثال خطیب تھے، نہ صاحبِ طرز انشاء پرداز و ادیب، نہ نامور مصنف و مؤلف تھے، نہ باکمال شاعر، وہ تو تواضع و عبدیت کا مجسم پیکر تھے اور عاجزی و فنائیت کی اعلیٰ مثال۔ استقامت ان کی زندگی کا سب سے نمایاں عنوان ہے اور دین کی خدمت ان کا سرمایۂ حیات۔ وہ محبت و معرفتِ ربانی کے ذوق چشیدہ اور خدا رسیدہ ایسے انسان تھے جن کے رگ و ریشے میں عشقِ خداوندی اسی طرح رچا بسا تھا جیسے شاخِ گل میں بادِ سحر گاہی کا نم۔ طالبِ علمی کے دور میں انھوں نے جس راہ کو اختیار کیا زندگی کے نشیب و فراز اور اتار چڑھاؤ میں وہ اسی پر جمے رہے، ڈٹے رہے اور ہر لمحہ منزلِ مقصود کی طرف بڑھتے رہے۔ تا آنکہ فرشتۂ اجل نے آکر کہہ دیا: یٰاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ، ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً،

فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ.

بزرگوں کا اپنا اپنا انداز ہوتا ہے ع

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

ہر باخدا انسان پر خدا کی کسی صفت کی تجلی ہوتی ہے، اشرف المدارس ہردوئی میں اپنے دور کے دو عظیم بزرگوں کو دیکھنے، سننے اور برتنے کا موقع ملا۔ ایک تو حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے خلیفہ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحبؒ اور دوسرے ہمارے ممدوح قاری صاحبؒ۔ اول الذکر پر خدائے ذوالجلال کی صفاتِ جلالیہ کا پرتو صاف محسوس ہوتا، منکرات پر سخت نکیر، اتباعِ سنت پر پورا زور، بے اصولی سے نفرت، بے ضابطگی پر تنبیہ، ہر ایک چیز کے لئے ضابطے کی تعیین اور اس پر عمل کی سخت ہدایت یہ ساری وہ چیزیں تھیں جو تھوڑا سا وقت گزارنے والے کو بھی محسوس ہو جاتیں۔ ثانی الذکر (قاری صاحبؒ) صفاتِ جمالیہ کے زیر سایہ، صفتِ رحمۃ للعالمینی کی چادر میں لپٹے ہوئے، آواز و انداز، تدریس و خطاب، اصلاح و تربیت ہر ایک چیز میں نرمی و مروّت، وہ جو قرآن نے رسول کریمؐ کے بارے میں زبان و دل کی نرمی کی بات کہی ہے (فَبِمَا رَحمَةٍ مِنَ اللهِ لِنتَ لَهُمْ. (آل عمران، آیت ۱۵۹) اس کا بہت ہی پیارا نمونہ تھے قاری صاحبؒ۔ سال بھر کا عرصہ کچھ مختصر نہیں ہوتا اس پوری مدت میں کبھی ان کی بلند آواز سننے تک کا موقع نہیں ملا، نہ کبھی کسی کو ڈانٹا، نہ سزا دی، نہ سختی سے پیش آئے۔ ان کے یہاں ان سب کے اظہار کا ذریعہ تھا پیاری اور مسرور کن مسکراہٹ اور شفقت سے بھرپور نگاہِ دل نواز۔

نہ بادہ ہے نہ صراحی ہے نہ دورِ پیمانہ
فقط نگاہ سے رنگین ہے بزمِ جانانہ

ان کے ان اوصاف کا اندازہ لگانے کے لئے ایک واقعہ سن لیجئے، مدرسہ اشرف المدارس میں جس عمارت میں درجۂ حفظ ہے اسی کی بالائی منزل میں درجہ عالمیت کے طلبہ پڑھتے ہیں، قاری صاحب روزانہ پڑھانے کے لئے درجۂ حفظ کے سامنے سے گذرتے ہوئے اوپر تشریف لے جاتے اور واپسی میں بھی ان کا گذر درجۂ حفظ کے سامنے سے ہوتا۔ ایک دن پڑھا کر قاری صاحب زینے سے جو اترے اور سامنے نگاہ پڑی تو دیکھا کہ ایک طالب علم جسے کلاس کے دوران

گفتگو کرنے کی سزا دی گئی ہے وہ درجہ حفظ کے سامنے کھلے صحن میں کان پکڑے ہوئے اور منہ میں اینٹ کا ایک ٹکڑا پکڑے ہوئے کھڑا ہے (یہ سزا دراصل حضرت شاہ ابرارالحق صاحبؒ کی مقرر کردہ تھی کہ درجہ میں گفتگو کرنے والے طلبہ کو صحن میں کان پکڑوا کر اور صاف ستھرا دھلا دھلایا اینٹ کا ٹکڑا منہ میں رکھوا کر تھوڑی دیر کے لئے کھڑا کروا دیتے۔ یہ سزا اب بھی اشرف المدارس میں جاری ہے اور تازہ واردانِ بساطِ علم اس سے گزر کر سزا بھی پاتے ہیں اور لطف بھی اٹھاتے ہیں، منہ میں پکڑائے جانے والے اس اینٹ کے ٹکڑے کو شاہ صاحبؒ ''دواء اللغو'' فرمایا کرتے تھے۔)
قاری صاحب مرحوم نے جو یہ دیکھا تو گویا تڑپ گئے، فوراً طالب علم کے پاس تشریف لائے، سلام کیا، دستِ شفقت سر پر پھیرا، اینٹ کا ٹکڑا اپنے ہاتھ سے منہ سے نکالا اور نگاہ بھر کر طالبِ علم کو دیکھا، ہلکا سا مسکرائے اور پھر اسے لئے ہوئے درجۂ حفظ کے استاد کے پاس گئے، استاذ دیکھتے ہی کھڑے ہوگئے، بڑے ہی نرم اور محبت بھرے بلکہ عاجزی سے لبریز لہجے میں قاری صاحب نے استاذ سے سفارش کی ''انہیں درجے میں بٹھا لیجئے'' استاذ نے صرف یہ کہا کہ جو حضرت کا حکم ہو۔ پھر وہ اپنے معمول کے مطابق سر جھکائے، نگاہ نیچی کئے ہوئے ذکر و فکر میں مستغرق آگے بڑھ گئے اور ـــــــ اب تو وہ اتنا آگے اور ایسی جگہ چلے گئے جہاں سے واپسی کا امکان ہی نہیں لیکن ان کی شفقت کی یاد دل میں لئے ہوئے وہ طالب علم ابھی اس جہانِ فانی میں زندہ ہے اور جگ بیتی کی شکل میں آپ بیتی سنا رہا ہے۔ چودہ سال گذر گئے لیکن راقم الحروف پر گذرا ہوا یہ واقعہ کل کا واقعہ معلوم ہوتا ہے اور ان کی وہ ایک نگاہ آج بھی یاد آتی ہے، کیسی شفقت تھی اس نگاہ میں، سرزنش اور تنبیہ کے شائبے تک سے پاک، محبت، خلوص اور اپنا پن لئے ہوئے۔

حضرت قاری صاحبؒ فیض یافتہ اور دست گرفتہ تھے حضرت قطب عالم شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کے، ۱۳۵۵ھ میں بہار کے ضلع سیوان کے ایک دیہات سے جب وہ ہندوستان کے عظیم دینی ادارے مدرسہ مظاہر العلوم میں بحیثیت طالبِ علم داخل ہوئے اسی وقت سے حضرت شیخ سے ان کا جو تعلق قائم ہوا تو حضرت کی زندگی کے آخر تک قائم رہا۔ شیخ و مرشد کی خصوصی توجہات اور مستجاب دعائیں انہیں نصیب ہوتی رہیں، حضرت شیخ کے یہاں قلتِ کلام اور ترکِ اختلاط پر بہت زور تھا، حضرت قاری صاحبؒ نے ان دونوں باتوں پر جس طرح عمل کیا اور اسے

نبھا کر دکھایا اسے ان کی سب سے بڑی کرامت کہا جا سکتا ہے۔

حضرت قاری صاحبؒ کی ایک بڑی اہم خصوصیت اوقات کی حفاظت اور ہر قسم کے لایعنی سے احتیاط تھی، لایعنی گفتگو، لایعنی کام جیسے وہ جانتے ہی نہیں تھے۔ بشری ضروریات پر بھی بہت تھوڑا وقت صرف فرماتے، چوبیس گھنٹے میں کھانے کے نام پر شاید صرف پندرہ منٹ صرف ہوتے ہوں گے، کھانا بھی بہت ہی مختصر ہوتا، **لقم تلقم ظهره** کا عملی نمونہ انہیں کے یہاں دیکھنے کو ملا، ایک مرتبہ قریب سے انہیں کھانا کھاتے ہوئے دیکھا، چونکہ یہ ناچیز راقم حضرت شاہ ابرار الحق صاحبؒ کے گھرانے سے بہت مانوس تھا اور خاندانی تعلقات اور کم عمری کی وجہ سے گھر کے اندر بھی آتا جاتا تھا ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحب کے یہاں سے کھانا لے کر حضرت قاری صاحب کے یہاں پہنچانے گیا، کھانا کیا تھا ایک پیالے میں تھوڑی سی دال جس میں روٹی کو باریک کر کے بھگو دیا گیا تھا، حجرے میں اجازت لے کر داخل ہوا اب یاد نہیں کہ حضرت کس کام میں لگے ہوئے تھے، اتنا یاد ہے کہ عرض کیا کہ حضرت کھانا کھا لیجئے، میں باہر ٹھہرتا ہوں، برتن واپس لے جاؤں گا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا ٹھہر جایئے اور فوراً پیالہ ہاتھ میں لے کر روٹی سمیت دال کو پی لیا اور پیالہ واپس کر دیا، اس کھانے میں بمشکل تین چار منٹ صرف ہوئے ہوں گے۔ اب سوچتا ہوں کہ اللہ کے بندے اپنی ضروریات پر کس طرح کم سے کم وقت خرچ کر کے زیادہ اوقات دینی خدمت اور یادِ الٰہی میں بسر کرتے ہیں۔ یہی جذبۂ بے تاب ہے جو روٹیوں کے بجائے ستو پھانکنے کی ترغیب دیتا ہے اور ہمہ وقت یادِ الٰہی میں مشغول رکھتا ہے۔

عیش کا نام لے نہ تو ہم سے ہم کو فرصت کہاں ترے غم سے
جب یہ عالم ترا نظر آیا اٹھ گیا دل تمام عالم سے

تصوف وسلوک کی بنیادی تعلیم عاجزی اور بے نفسی ہے، جس کا خلاصہ حضرت تھانویؒ کے بقول یہ ہے کہ ہر مومن سے فی الحال اور ہر کافر سے فی المآل اپنے آپ کو کمتر سمجھے، معرفت نفس اور محبت الٰہی جیسے جیسے بڑھتی جاتی ہے انسان اپنے عیوب سے واقف اور دوسروں کے عیوب سے بے خبر ہوتا جاتا ہے۔ پھر زندگی میں یہ احساس تازہ ہوجاتا ہے کہ ''اپنی نگاہ میں کوئی برا نہ رہا'' سلوک کی راہ میں یہ مقام بہت دیر سے اور آخر میں آتا ہے۔ اسی لئے صوفیاء نے یہ بھی کہا ہے:

آخر ما یخرج من قلوب الصدیقین حب الجاہ. (صدیقین کے دل میں سے بھی سب سے آخر میں شہرت کی محبت نکلتی ہے) جب تک نفسانیت کی کثافتیں انسان پر چھائی رہتی ہیں، معرفت کی لطافتیں اس پر آشکارا نہیں ہوتیں اور جب عاجزی کا احساس اور بے نفسی کا جوہر پیدا ہوجاتا ہے تو قربِ خداوندی کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں، اسی لئے کسی عارف نے کہا ہے:"**لا طریق اقرب الی اللہ من العبودیة ولا حجاب اغلظ من الدعوی ولا ینفع مع الاعجاب والکبر عمل واجتهاد ولا یضر مع الذل والافتقار بطالة یعنی بعد الفرائض**" (بندگی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا سب سے قریبی راستہ ہے اور دعوے سے زیادہ بڑا اور دبیز کوئی حجاب نہیں ،خود پسندی کے ساتھ محنت و کوشش بھی کچھ کام نہیں دیتی اور عاجزی ومسکنت کے ساتھ نوافل میں سستی بھی نقصان نہیں پہنچاتی) عاجزی اور بے نفسی کا یہ جوہر حضرت قاری صاحبؒ کو منجانب اللہ ودیعت کیا گیا تھا۔انہیں دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے لئے زبانِ رسالت سے نکلی ہوئی وہ بات یاد آتی ہے کہ "جو کسی مردہ انسان کو زمین پر چلتا پھرتا دیکھنا چاہتا ہو وہ ابوبکر صدیق کو دیکھ لے"۔مرزا مظہر جانِ جاناں کے حالات میں بھی خود ان کا بیان کیا ہوا یہ ملفوظ ملتا ہے کہ میں نے تیس سال مجاہدات میں گزارے تب کہیں جا کر فنائیت کا مقام حاصل ہوا۔اور اب حال یہ ہے کہ جب لوگ آکر مجھے سلام کرتے ہیں تو مجھے ایسا لگتا ہے کہ وہ میری لاش کو سلام کر رہے ہیں۔تواضع وفنائیت کا اونچا مقام بتمام وکمال بہت کم انسانوں کو ملتا ہے۔قاری صاحبؒ کی زندگی اس کے لئے بہترین مثال ہے۔مدرسہ اشرف المدارس میں انہوں نے تقریباً ستر سال درس وتدریس اور رشد و ہدایت میں گزارے۔اس طویل ترین مدت میں وہ اپنی شخصیت کو نمایاں اور مشہور کرنے کی بھرپور کوشش کرسکتے تھے؛لیکن ان کے پیشِ نظر تو رضائے حبیب تھی جس کے لئے انہوں نے اپنے آپ کو مٹایا اور اس طرح مٹایا کہ ان کی عاجزی و بے نفسی نے ان پر گمنامی کے پردے ڈال دئے۔یہی وجہ ہے کہ اب بھی ان کے گزر جانے کو اس طرح نہیں محسوس کیا جارہا ہے جس طرح محسوس کیا جانا چاہئے تھا۔شیخ عبدالحفیظ مکی (خلیفہ حضرت شیخ) کی مشہور کتاب "**موقف ائمة الحرکة السلفیة من التصوف والصوفیة**" میں کسی عارف کے حوالے سے یہ حکایت درج ہے کہ "**دخلت علی اللہ من ابواب الطاعات**

کلھافما دخلت من باب الا رأیت علیه الزحام فلم اتمکن من الدخول حتی جئت باب التذلل والافتقار فاذا هوا اقرب باب الیه واوسعه ولا مزاحم فیه ولا معوق فما هو الا ان وضعت قدمیَّ فی عتبته فاذا هو سبحانه قد اخذ بیدی وادخلنی علیه ''(میں نے تمام طاعتوں کے ذریعے خدا تعالیٰ تک پہونچنے کی کوشش کی ہر دروازے پر میں نے بڑی بھیڑ پائی سوائے عاجزی اور فقر کے دروازے کے، جب میں اس دروازے پر حاضر ہوا تو میں نے اسے سب سے زیادہ کشادہ اور سب سے قریبی دروازہ پایا جہاں نہ کوئی مزاحمت کرنے والا تھا اور نہ رکاوٹ پیدا کرنے والا، میں نے جیسے ہی وہاں قدم رکھا تو اللہ پاک کی رحمت نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا) یہ حکایت جہاں ان بزرگ کی زندگی اور احوالِ زندگی کو بیان کرنے والی ہے وہیں حضرت قاری صاحبؒ کی زندگی کا بہترین نقشہ بھی ہے ،قاری صاحبؒ کی زندگی سے معمولی واقفیت رکھنے والا انسان بھی جب اس حکایت کو پڑھے گا تو فوراً اس کی نگاہ کے سامنے قاری صاحب کی دلنواز اور بے نفس شخصیت ابھر آئے گی۔

حضرت قاری صاحبؒ پچھلی صدی کی تیسری دہائی میں بہار کے ضلع سیوان کے ایک ایسے دیہات میں پیدا ہوئے جہاں بدعات وخرافات کا غلبہ تھا۔ پیدائش کا سال خود آپ کو بھی یقینی طور پر معلوم نہ تھا، البتہ آپ کے پاسپورٹ پرسن پیدائش ۱۹۲۶ء درج ہے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں اور گاؤں سے قریب ایک بستی میں حاصل کی، پھر جون پور کے مدرسہ کرامتیہ میں داخلہ لے کر فارسی اور ابتدائی عربی کا درس لیا۔ وہاں سے ۱۳۵۵ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور تشریف لائے، جہاں سات سال تک زیرِ تعلیم رہ کر سندِ فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد ۱۳۶۳ھ میں عظیم عالمِ دین اور مشہور ترین بزرگ حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے مشورے سے مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی میں تدریس کے فرائض انجام دینے لگے۔ جس کا سلسلہ تادمِ آخر جاری رہا۔ ابھی کچھ عرصہ قبل مدینہ منورہ کے کچھ معتقدین نے یہ پیش کش کی کہ آپ مدینہ منورہ میں قیام فرما ہو کر اپنے انفاسِ قدسیہ سے لوگوں کو مستفید فرمائیں لیکن آپ نے صرف اس وجہ سے قبول نہ فرمایا کہ یہ مدرسے والوں کے ساتھ بے وفائی ہوگی۔

زمانۂ طالبِ علمی ہی میں آپ قطبِ زماں حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت

ہوئے اور ذکر کی تعلیم لی۔ حضرت رائے پوری کے وصال کے بعد اپنے مشفق استاذ اور پچھلی صدی کی عظیم ترین شخصیت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ سے تجدید بیعت کی درخواست کی؛ لیکن حضرت شیخ نے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ: ''میں حضرت مدنی اور حضرت رائے پوری سے جو لوگ بیعت ہوں انہیں دوبارہ بیعت نہیں کرتا ہوں، البتہ خدمت کے لئے حاضر ہوں اور جو معمولات حضرت رائے پوری نے بتلائے تھے کرتے رہو۔'' چنانچہ آپ نے حضرت شیخ سے اصلاحی مراسلت اور رابطہ قائم رکھا۔ حضرت شیخ کی خصوصی توجہات آپ پر تھیں اس کا اندازہ اس واقعے سے کیا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت قاری صاحبؒ اپنے مرشد کی خدمت میں کچھ عرصہ گذار کر ہردوئی واپس ہورہے تھے تو حضرت شیخ نے واپسی کے وقت بہت گہری نظر سے آپ کو دیکھا جس کا اثر یہ ہوا کہ حضرت قاری صاحب کے قلب پر حضرت شیخ کی اس نظر کے دو نشانات عرصے تک معلوم ہوتے رہے اور ان نشانات میں روشنی اور نور بھی محسوس ہوتا رہا۔ اصلاح و تربیت کے مرحلوں سے گذرنے کے بعد ۲۸/رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ میں جمعہ کے دن حضرت شیخ نے آپ کو اجازت و خلافت سے نوازا جس کا واقعہ بڑا عجیب وغریب ہے، اس لئے خود حضرت قاری صاحبؒ کے سادہ اور دلنشیں الفاظ میں نقل کررہا ہوں۔

''اجازت دینے سے قبل اس ناکارہ نے ایک عجیب وغریب خواب دیکھا کہ حضرت مرشدنا قدس سرہٗ مدینہ پاک سے جس تاریخ کو سہارنپور آرہے تھے، اسی تاریخ میں اخیر شب میں دیکھا کہ حضرت میرے کمرے میں آئے، اس وقت میں ہردوئی میں تھا، حضرت کے آنے کا علم تاریخ وغیرہ کا نہ تھا، بعد میں حساب لگایا تو معلوم ہوا وہی تاریخ تھی، غرض حضرتؒ آئے اور ایک خوبصورت ڈبیہ جیسے روشنائی کی ڈبیہ ہوتی ہے لاکر مجھے دی اور فرمایا: ''تمہارے لئے لایا ہوں'' خواب ہی میں فرطِ مسرت کی وجہ سے آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے کہ حضرت کی کتنی بڑی شفقت ہے کہ ہزاروں انسان حضرت کے چاہنے والے ہیں ان کے لئے نہیں لائے اور مجھ ناکارہ کے لئے جو کسی لائق نہیں ہے لائے، حضرت کی کتنی بڑی مہربانی ہے۔

غرض خواب سے بیدار ہوا تو دل میں خوشی معلوم ہوئی۔ اب خواب لکھ کر

حضرت کے یہاں ڈاک سے روانہ کیا۔ حضرت نے جواب مرحمت فرمایا کہ: ''پیارو! مادی چیزیں تو نہ اپنے لئے لایا نہ دوسروں کے لئے۔ باقی دعا سے کسی کے لئے غافل نہیں رہا، باقی تمہارا خواب مبارک ہے جب آؤ پرچہ ساتھ لیتے آؤ۔'' ہاں ایک بات لکھنا بھول گیا۔ حضرت کو جب دیکھا تو اس قدر خوبصورت ہیں کہ چاند کا ٹکڑا ہے۔

حتی کہ حیرت انگیز واقعہ پیش آیا یعنی مورخہ ۲۸/رمضان بروز جمعہ قبل اذان عصر ۱۳۸۵ھ احقر سراپا تقصیر کو مرشدی و مولائی حضرت اقدس نے اپنے معتکف میں طلب فرمایا بذریعہ بھائی ابوالحسن صاحب، احقر حاضر خدمت ہوا تو ارشاد ہوا کہ: ''یہ جبہ پہن لو'' (جو حضرت کا مستعملہ تھا خوشبو بے انتہا تھی کئی ماہ رہی) چنانچہ حسب ارشاد پہن لیا، پھر ارشاد فرمایا کہ: ''آج سے تمہیں اجازت دیتا ہوں بیعت کی۔ یہ امانت ہے حفاظت کرنا۔'' اس معاملہ سے ناکارہ کو حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی حتی کہ سکتہ میں آگیا اور شام تک مبہوت سا رہا حتی کہ بخار کی کیفیت طاری ہوگئی۔ یہ سب کچھ حق تعالی نے اپنے لطف وکرم سے حضرت شیخ کے قلب میں ڈالا اس لئے یہ صورت ظاہر ہوئی۔ وہ جبہ گاہے اخیر شب میں حصول برکت کی نیت سے پہن لیتا ہوں اور بطور تبرک محفوظ رکھتا ہوں۔''

اجازت وخلافت کے بعد آپ بہت ہی خاموشی کے ساتھ مسترشدین وسالکین کی خدمت میں مشغول رہے اور زندگی کی آخری دہائی میں آپ کی طرف رجوعِ عام ہوا اور بڑے بڑے علماء اور دین کے عظیم خادم آپ کے حلقہ بگوش ہوئے ،سالکین ومریدین کی خدمت کا یہ سلسلہ زندگی کے آخری دن تک جاری رہا۔

حضرت قاری صاحب نے جیسی مبارک ، پاکیزہ اور قابل رشک زندگی گزاری اللہ نے ویسی ہی اچھی موت انہیں نصیب فرمائی جمعہ کی مبارک رات ، تہجد کا وقت ، نماز سے فراغت پاکر باوضو گویا کہ سیدالاولیاء کو سیدالایام میں لقاءِ حبیب کا پروانہ عطا کیا گیا اور اس عطا کے لئے خاص اس وقت کا انتخاب کیا گیا جس میں روزانہ ربِ کریم سے راز ونیاز کی سعادت جانے والے کو ملا

کرتی تھی۔موت کا بہانہ سینے کا درد بنا جو ظاہری نگاہوں میں سینے کا درد تھا اور باطنی نگاہوں میں ایک عاشقِ صادق کے دل میں محبوبِ حقیقی سے ملنے کی کسک، جس نے قلب کی حرکت بند کردی اور محبّ کو محبوب اور مخلوق کو خالق تک پہنچادیا۔

آخر شب دید کے قابل تھی بسمل کی تڑپ

برسوں برس پہلے حضرت قاری صاحب نے مدینہ منورہ میں اپنے مرشد گرامی حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں ایک سال گزارا تھا۔جب سال بھر گزرنے کے بعد مرشد سے واپسی کی اجازت ملی تو روانگی کے وقت تنہائی میں قاری صاحب نے حضرت شیخ سے عرض کیا تھا حضور میرے لئے حسن خاتمہ کی دعا فرمادیجئے تو حضرت شیخ نے فرمایا تھا انشاءاللہ حسن خاتمہ بھی ہوگا، دعا دینے والے اور دعا لینے والے دونوں جوارِ رحمت میں جاچکے لیکن دعا کی قبولیت کا مشاہدہ ہم جیسے عاجز و ناکارہ انسانوں کے سامنے ہے۔حکیم مشرق اور صاحبِ دل شاعر اقبال کا کیسا غضب کا شعر یاد آگیا۔

قسمت نگر کہ کشتۂ شمشیرِ عشق یافت
مرگے کہ زاہداں بہ دعا آرزو کنند

حضرت قاری صاحب چلے گئے اور جانا کسے نہیں؟ لیکن جس شان سے وہ گئے ہیں وہ ہم جیسوں کے لئے اپنے اندر بڑا سبق رکھتی ہے اور اب جس طرح شانِ کریمی کی جانب سے ان کی ناز برداری ہورہی ہوگی اور ان پر رحمت ومغفرت کے پھول برسائے جارہے ہوں گے اور زندگی کے تھکے ہوئے مسافر کو جس طرح نعمتوں سے نوازا جارہا ہوگا اس کا تصور ہی بڑا پرکیف ہے اور عزیز ولذیذ بھی۔ان کی زندگی استقامت کا اعلیٰ نمونہ تھی اور ان کی موت خدا تعالیٰ کے یہاں ان کے اونچے مقام کا اظہار واعلان۔

ابرِ رحمت ان کے مرقد پر گُہر باری کرے
حشر تک شانِ کریمی ناز برداری کرے

(بہ شکریہ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، بابتہ ماہِ اپریل ۲۰۱۲)

حضرت اقدس عارف باللہ
مولانا قاری امیر حسن صاحب نوراللہ مرقدہٗ

مولانا مفتی رشید احمد سعدی
استاذ مدرسہ وصیۃ العلوم پرنام بٹ

پچھلے چند سالوں سے اہل قلوبِ صالحین کے قافلے تیزی سے عالمِ آخرت کی طرف جارہے ہیں اور اپنے پیچھے ایسا مہیب خلا چھوڑ کر جارہے ہیں جس کے پُر ہونے کی امید بظاہر نظر نہیں آرہی ہے، جو شخصیتیں علمِ صحیح، عملِ صالح، زہد وتقویٰ، سادگی وقناعت اور تواضع وللّٰہیت جیسی صفات کے ساتھ صحیح معنوں میں متصف ہوکر بقائے انسانیت کے مدار بنے ہوئے تھے اب مسلسل منزلِ عقبیٰ کی طرف رواں دواں ہیں اور بڑی کربناک بات یہ ہے کہ جن اوصاف کو انہوں نے اپنے خداترس اور کامل ترین اکابر ومشائخ کی بابرکت صحبتوں میں رہ کر حاصل کیا تھا وہ بھی انہیں کے ساتھ رخصت ہورہے ہیں، اب امت کے لیے اس عظیم نقصان کی تلافی ناممکن ہورہی ہے، دوسری طرف دنیا کی تاریکی اور ظلمت میں روز بروز شدت سے اضافہ ہورہا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے اس ارشادِ گرامی کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ ہورہا ہے:

یَذْهَبُ الصَّالِحُوْنَ اَلْاَوَّلُ فَالْاَوَّلُ وَیَبْقٰی حُفَالَةٌ کَحُفَالَةِ الشَّعِیْرِ اَوِ التَّمَرِ لَایُبَالِیْهِمُ اللّٰهُ بَالَةً. (بخاری شریف) یعنی نیک لوگ یکے بعد دیگرے اٹھتے چلے جائیں گے اور پیچھے انسانیت کی تلچھٹ رہ جائے گی جیسا کہ ردّی جو اور کھجور رہ جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو ان کی (عزت وحرمت کی) کوئی پرواہ نہیں ہوگی۔

* خلیفہ حضرت قاری امیر حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بتاریخ یکم ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۴؍فروری ۲۰۱۲ء بروز جمعہ بوقت تہجد ۳۰-۴ بجے سیدی ومرشدی حضرت اقدس عارف باللہ قاری امیر حسن صاحب قدس سرہٗ ہم سے رخصت ہوکر اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

حضرت اقدس قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان نفوسِ قدسیہ میں سے تھے جن کا نفس وجود ہی امت کے لیے رحمتوں اور برکتوں کا باعث ہوتا ہے، اور جن کے تصور سے اس پرآشوب اور ظلمت بھرے دور میں دل کو ڈھارس اور قلب کو تقویت محسوس ہوتی تھی، اور جن کے سایۂ رحمت وشفقت میں برصغیر کے افراد خصوصاً اہل علم ودین کو آغوشِ مادر کا سکون وسرور میسر آتا تھا، آج ہم اس عظیم سایہ اور مقدس وجود سے محروم ہوگئے۔ اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی وَکُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی.

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وطن اصلی بہار کے ضلع سیوان کا ایک دیہات ہے، آپ کی تاریخ پیدائش کا کوئی صحیح علم نہیں، تاہم پاسپورٹ میں ۱۹۲۶ء درج ہے، ابتدائی تعلیم اپنی ہی بستی کے ایک پرائمری اسکول میں درجہ سوم تک ہوئی، آپ کی طبیعت ابتداء ہی سے دینی تعلیم کی طرف راغب تھی، اس لیے آپ نے اسکول کو چھوڑ کر قریبی بستی کے ایک مولوی صاحب سے قرآن پاک وغیرہ پڑھا، آپ کے والدین کوئی پڑھے لکھے نہیں تھے لیکن تھے نیک اور سیدھے سادھے، صوم وصلوٰۃ کے پابند، اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ بات ڈالی کہ آپ کو علم دین کے لیے خاص کردیا جائے، چنانچہ انہوں نے آپ کو جونپور کے مدرسہ کرامتیہ میں داخل کردیا، وہاں آپ نے فارسی وغیرہ پڑھی، اس کے بعد ۱۳۵۵ھ میں آپ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور تشریف لے گئے اور مسلسل سات سال تک زیر تعلیم رہے، فراغت کے بعد ۱۳۶۳ھ میں حضرت فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی علیہ الرحمہ کے مشورہ سے آپ مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی میں مدرس ہوگئے اور تاحیات تقریباً ستر سال اسی مدرسہ سے وابستہ رہے، اس دوران ایک سال حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب قدس سرہ کی صحبت میں رہ کر مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور غالباً ایک سال مدرسہ فیض العلوم حیدرآباد (جو شاخ ہردوئی ہے) میں بھی صدر مدرس کی حیثیت سے قیام فرمایا تھا۔

زمانۂ طالبعلمی ہی میں آپ کے تقویٰ وطہارت اورنیکی وپارسائی کوآپ کے اساتذہ کرام نے بھانپ لیا، آپ ان کے محبوب نظر بن گئے، خصوصاً حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب قدس سرہٗ اور حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ کی خصوصی شفقتیں اور توجہات آپ کے ساتھ ہوگئیں، حضرت مفتی صاحبؒ ہی کے ایماء پر آپ حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ سے بزمانۂ طالب علمی بیعت ہوگئے اور ان کے تلقین فرمودہ معمولات پر کاربند رہے، اس دوران حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی مجالس میں بھی حاضری ہوتی رہی، پھر جب حضرت رائپوریؒ کا وصال ہوا تو آپ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے مکمل طور پر وابستہ ہوگئے اور سلوک کے مدارج طے کرتے رہے، بالآخر آپ کو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۸۵ھ میں خلعتِ خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا اور آپ باقاعدہ ان کے خلیفہ مجاز قرار پائے۔

اپنے دونوں مشائخ حضرت شیخ وحضرت رائپوری رحمہما اللہ سے آپ کی والہانہ عقیدت ومحبت اور ان حضرات مشائخ کی آپ سے بے انتہا محبت اور آپ پر خصوصی توجہات کرنے کا قدرے تفصیلی تذکرہ آپ کے ملفوظات کا مجموعہ ''کلمات صدق وعدل'' میں ملاحظہ ہو۔

حضرت قاری صاحب قدس سرہٗ کی ذات والا صفات یادگارِ سلف تھی، علم وفضل، دیانت واخلاق اور طہارت وتقویٰ کے اوج کمال پر فائز ہونے کے باوجود وہ تواضع وانکساری اور سادگی کا ایسا پیکر مجسم تھے کہ دور حاضر میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے، ان کی ہر ادا سادگی اور تواضع میں ڈوبی ہوئی تھی، بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ اپنے نیازمندوں اور متوسلین سے جسمانی خدمت لینا بھی گوارا نہیں ہوتا تھا، کبھی ہم باصرار پاؤں دبانے کی اجازت چاہتے تو ہماری خاطر داری میں خاموش ہوجاتے، لیکن تھوڑی ہی دیر میں روک دیتے یا اس طور سے پاؤں سمیٹنے کی کوشش کرتے کہ ہمیں محسوس ہوتا کہ پاؤں دبوانے کی راحت سے زیادہ آپ کی طبیعت پر بار ہورہا ہے۔ چنانچہ ہم ہی دبانا چھوڑ دیتے۔

حضرت والا پر اپنے مشائخ کے ساتھ بے مثال تواضع، محبت وفنائیت اور خودفراموشی وخود سپردگی کا رنگ بہت ہی غالب تھا، ان کی ہر ادا سے محبت وتواضع ٹپکتی تھی، حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ انہیں ایسی والہانہ عقیدت ومحبت تھی کہ جس کی مثالیں بہت کمیاب ہیں، خودتحریر

فرماتے ہیں:

''اس ناکارہ پر غیر معمولی حضرت کے رعب وعظمت کا غلبہ رہتا تھا، اپنی نالائقی وکوتاہی کا خیال ہوتا تھا کہ حضرت کو تکلیف نہ ہو میری بے تہذیبی سے، نیز حضرت پر میرے عیب منکشف ہوکر تکلیف نہ ہو''

ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت شیخ کا غیر معمولی رعب وعظمت میرے اوپر طاری ہوتی تھی اور ان کے سامنے گذرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، حضرت کی شفقت اپنے اوپر بے انتہا محسوس کرتا تھا'' (کلمات صدق وعدل)

حضرت والا کی فنائیت اور خود فراموشی اپنے معاصر مشائخ کے ساتھ بھی کچھ اسی نوع کی ہوا کرتی تھی، حضرت محی السنہ عارف باللہ مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ماتحت رہ کر آپ نے تقریباً ساری زندگی مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی میں گذاردی، اس پوری مدت میں مدرسہ کے اصول وضوابط کے اس قدر پابند تھے کہ جس کی مثالیں اب اس دور میں تقریباً معدوم اور نادر الوجود ہیں، حضرت قاری صاحبؒ کا حضرت ہردوئیؒ سے نہ شاگردی کا تعلق تھا نہ بیعت وارادت کا، بلکہ مظاہر علوم سہارنپور میں دونوں حضرات ایک ہی دور میں تعلیم پارہے تھے، حضرت ہردوئی آگے کے درجہ میں تھے، اس کے باوجود آپ حضرت ہردوئی رحمہ اللہ کا ادب واحترام اسی طرح فرماتے تھے جس طرح ایک مرید اپنے شیخ کا کرتا ہے۔ حضرت ہردوئی رحمہ اللہ کی رحلت کے بعد کچھ اسی طرح کا متواضعانہ برتاؤ اور نیازمندانہ تعلق حضرت شیخ طریقت حکیم کلیم اللہ صاحب مدظلہم (علیگڑھ) سے رہا تھا۔

غرض حضرت والا پر فنائیت کا غلبہ تھا، سادگی اور خدا خوفی ان کی رگ رگ میں رچی ہوئی تھی، تقدس وتقویٰ کے نازکی کوئی پرچھائیں بھی آپ کی ذات پر دور دور تک نظر نہیں آسکتی تھیں، جو بھی آپ سے ملنے آتا اس سے آپ ایسی سادگی اور محبت کے ساتھ ملتے کہ وہ یہ تاثر ضرور لے کر جاتا تھا کہ حضرت والا کا مجھ سے بھی خصوصی تعلق ومحبت ہے، زہد وقناعت کی صفت آپ کے اندر اس طرح رچ بس گئی تھی جیسے گلاب میں خوشبو اور تاروں میں روشنی، ساری زندگی ایک مسافر

کی سی گزاردی، دنیا کی نمود ونمائش، مال وجاہ اور ساز وسامان سے آپ کو کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

حضرت قاری صاحب قدس سرہٗ کی صحبت میں اللہ تعالیٰ نے ایسی برکت رکھی تھی کہ ان کی مجلس میں بیٹھ کر دل کی دنیا بدلی ہوئی معلوم ہوتی تھی، آخرت کی فکر پیدا ہوتی تھی، ان کا نورانی چہرہ کو دیکھ کر خدا یاد آتا تھا، چہرے بشرے پر ذکر وفکر کے انوار ظاہر تھے، ان کی ہر ادا و انداز میں اس بلا کی معصومیت کہ بے ساختہ دل مائل ہوتا تھا، گفتگو فرماتے، ہنستے یا مسکراتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں، عام طور پر گفتگو یا وعظ ونصیحت کے دوران آپ کی نگاہیں جھکی رہتیں یا بند رہتی تھیں، آپ کی گفتگو وعظ ونصیحت کی مجلس میں ہو یا کہیں اور ہو، اتنی جامع ومختصر اور شگفتہ رہتی کہ کوئی زائد بات منہ سے نہ نکلتی تھی۔ ہر وقت چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے اتباع سنت، تعلق مع اللہ پیدا کرنے والے اعمال، برے اعمال اور ان کے تباہ کن دنیوی واخروی نقصانات کو قرآن وحدیث اور سلفِ صالحین کے اقوال وواقعات کی روشنی میں ایسے دلنشین انداز میں پیش فرماتے کہ سننے والے اپنی زندگی کے لیے کچھ نہ کچھ لے کر اٹھتے تھے، آپ کو غیبت، بدگوئی اور بدگمانی سے حد درجہ نفور تھا، کسی کے خلاف سننا انہیں گوارا نہیں ہوتا تھا محض حالات وقرائن سے کسی کے خلاف بدگمانی کرنے کو ہرگز رَوا نہیں سمجھتے تھے۔ اپنے متعلقین میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ تین گناہ ایسے ہیں جن سے اگر بچ جائیں تو دوسرے گناہوں سے بچنا آسان اور سہل ہوجاتا ہے، وہ یہ ہیں: بدنظری، بدگمانی اور غیبت۔

خلافِ شریعت وضع قطع بنایا ہوا کوئی شخص آپ کی خصوصی مجلس میں آجاتا تو اس کو ایسے مشفقانہ انداز میں نصیحت فرماتے کہ وہ شرمندہ ہوکر پانی پانی ہوجاتا، اور عموماً دیکھا گیا ہے کہ جس شخص کے ساتھ بھی آپ ایسا مشفقانہ وناصحانہ انداز اختیار فرماتے وہ اس خلاف شرع فعل کے ارتکاب سے ہمیشہ کے لیے تائب ہوجایا کرتا تھا، خود راقم الحروف کے مشاہدہ میں ایسے واقعات پیش آئے کہ بعض بے ریش آدمیوں کو آپ نے شفقت بھرے انداز میں نصیحت فرمائی تو وہ فوراً ریش (ڈاڑھیوں کو) ترشوانا بند کردئے۔

غرض حضرت والا کے دلنواز نصائح براہِ راست دل پر اثر انداز ہوتی تھیں اور اللہ سے تعلق جوڑنے کا ذریعہ بنتی تھیں، اور یہ نصائح وافادات کسی باقاعدہ مجلس کے پابند نہیں ہوتے تھے بلکہ ہر

جگہ اور ہر مقام میں ان کی یہ حالت ہوتی تھی کہ ع

میں جہاں بیٹھ لوں، وہیں میخانہ بنے

حضرت والا کی اس تعلیم وتربیت اور دعوت وتبلیغ سے سینکڑوں زندگیوں میں انقلاب آیا اور نہ جانے کتنے افراد کی کایا پلٹ گئی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو عبادات کا خاص ذوق عطا فرمایا تھا، سفر وحضر ہر جگہ آپ تہجد کے پابند تھے، نماز کے ساتھ خصوصی شغف تھا، نہ صرف آپ کی جماعت کی نماز بلکہ تکبیر اولیٰ کبھی قضا نہیں ہوتی تھی، بارہا ہم نے دیکھا ہے کہ آپ کیسے ہی کام میں مصروف ہوں جیسے ہی اذان ہوتی تو مسجد کو جانے کی تیاری شروع فرما دیتے، اس موقع پر آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ''حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو نسبتِ صلوٰۃ حاصل تھی، نماز کی تیاری وقت سے ایک گھنٹہ پہلے فرماتے تھے، انہیں نماز کا کس قدر اہتمام تھا؟'' بلاشبہ آپ حدیث ''رَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ'' کے صحیح مصداق تھے۔

نماز کے بعد حرمین شریفین کی حاضری کا آپ کو اس قدر شوق تھا کہ شاید دنیا میں کسی بھی چیز کا اتنا شوق نہ ہو، ہر سال آپ حج فرمایا کرتے تھے حتی کہ امسال بھی شدید نقاہت اور ضعف کے باوجود حج کے لیے تشریف لے گئے۔ حرمین شریفین کے قیام کے دوران آپ پر محویت کا ایک عجیب عالم طاری رہتا تھا، ارکانِ حج وعمرہ ادا کرتے وقت ایسا محسوس ہونے لگتا تھا کہ دنیا ومافیہا سے بے خبر ہیں۔

دو تین سال سے آپ مختلف عوارض اور بیماریوں سے کمزور ہوتے چلے گئے، دوران خون سست پڑ جانے سے بار بار سر چکرانے لگتا تھا، ڈاکٹروں نے آپ کو زیادہ وعظ ونصیحت کرنے سے منع کر دیا تھا، امسال رمضان المبارک میں اعتکاف کے دوران میل وشارم میں بھی کئی مرتبہ آپ پر بیہوشی کے دورے پڑے تھے، شدید ضعف کے عالم میں بھی آپ کا بروقت عبادتوں کو انجام دینا، باجماعت نمازوں میں حاضری، وقفے وقفے سے اپنے متعلقین ومتوسلین کے درمیان آ کر کچھ نہ کچھ وعظ ونصیحت کے کلمات کہنا وغیرہ پُر مشقت مصروفیات ہم نوجوانوں کے لیے باعثِ رشک ہی نہیں حیرتناک تھیں۔

حج بیت اللہ کی ادائیگی کے بعد آپ کا زیادہ تر قیام دہلی میں رہا، پھر وصال سے دس پندرہ دن قبل بغرض علاج آپ ممبئی تشریف لے گئے اور وہیں سے آپ آخرت کے سفر پر روانہ ہوگئے۔

حضرت والا ہمیشہ اپنی ہر دعا میں سلامتی ایمان اور حسن خاتمہ کی دعا فرمایا کرتے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی، جمعہ کے مبارک دن اور تہجد کے مبارک وقت کی سعادتوں کے ساتھ آپ کے آخری لمحات بڑے قابل رشک ہیں، آپ کے پوتے مولانا قطب الدین صاحب زید مجدہم کے بقول جمعہ کی شب کو آپ تہجد کے لیے بیدار ہوئے تو بوقتِ بیعت جو کلمات کہے جاتے ہیں ''توبہ کرتا ہوں میں کفر سے شرک سے۔الخ'' انہیں آپ نے دہرایا، پھر ''یَا سَلَامُ'' کا ورد فرماتے رہے، تھوڑی ہی دیر میں آپ اس دار فانی سے رخصت ہوگئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ بلند پایہ شیخ تھے، ہزاروں مسلمان عوام وخواص آپ کے دامن تربیت سے وابستہ ہوکر فیض صحبت سے مستفید ہوئے، بلاشبہ ان میں کا ہر فرد آپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہے اور آپ کی حسنات میں اضافہ کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحبؒ کے ساتھ لطف وکرم اور رحمت ورضوان کا خاص معاملہ فرمائے اور اپنے مقاماتِ قرب میں پیہم ترقی درجات عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے ان نیک بندوں کے ساتھ ملحق فرمائے۔

سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے
فضل حق تری لحد پر رحمت افشانی کرے

اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَہٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَہٗ، آمین.

حضرت قاری امیر حسن صاحب علیہ الرحمہ

مولانا میر الیاس علی القاسمی
صدر قرآ نک ایجوکیشنل سوسائٹی شکاگو

فروغِ شمع جو اَب ہے، رہے گی رہتی دنیا تک
مگر محفل تو پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

شمس وقمر کا طلوع وغروب، نجوم وکواکب کا تغیب واختفاء، لیل ونہار کی تبدیلی، صبح وشام کا اختلاف، نظامِ کائنات کا ایک حصہ، خالقِ کائنات کی قدرت کی ایک نشانی اور کائناتِ ذی روح کی راحت کا سامان ہے؛ کیوں کہ یہ کائنات کی فطرت کے عین مطابق ہے۔

لیکن اسی کائنات کے کچھ شمس وقمر ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا طلوع دلوں کی تاریک کائنات کو منور کرتا ہے اور ان کا غروب محفلوں کو سوگوار اور دلوں کو غمناک بنا دیتا ہے، وہ اس عالم کی روحانی شخصیتیں ہیں، انھیں میں عصر حاضر کی روحانی شخصیت حضرت مولانا قاری امیر حسن صاحبؒ کی تھی۔ عصر حاضر کا ماحول خود ایسا قابلِ تعزیت ہے کہ اب ان تعزیتی مضامین کا لکھنا پڑھنا ایک رسم سا بن گیا ہے؛ کیوں کہ مسائلِ حیات کا طوفان کسی خلاءِ عظیم کو پُر کرنے کی کوشش کا موقع ہی نہیں دیتا خود اپنی کشتی کو بھنور سے بچانے، اس کے افکار وتدابیر نا کافی ثابت ہو رہے ہیں؛ لیکن کوئی دیندار اس حقیقت کا انکار ہی نہیں کرسکتا کہ انہیں روحانی شخصیتوں کا وجود اور ان سے تعلق اور ان کی دعائیں ڈوبتی کشتی کو ساحل سے لگا سکتی ہیں۔ حضرت قاری صاحبؒ کے متعلق کچھ لکھنا خود اپنی سعادت ہے۔ ویسے جن حضرات نے حضرت کی صفاتِ عالیہ کو اپنے اندر جذب کیا ہے حضرت کے متعلق لکھنے کا حق تو انہیں کا ہے، باقی شاید تسویدِ صفحات ہے۔

جس کبکبہ کے وہ روحانی وملکوتی سپاہی تھے، راقم اس وقت سے متعارف تھا جس وقت وہ مدرسہ تجوید القرآن (نلگنڈہ) میں حفظ کررہا تھا؛ لیکن بچپن کی بے شعوری نے ان حضرات سے رابطہ وتعلق کی اہمیت پر مزید بے شعوری کے دبیز پردے ڈال دئے تھے، البتہ دینی خدمت کے ایک مسافر کو نامساعد حالات کے دشت وجبل اور کبھی خاروخس کی کھائیوں اور غاروں سے واسطہ پڑتا ہے تب ایک مخلص رہبر کی ضرورت شدت سے محسوس کرتا ہے ۔اسی طرح خادم نے بھی امریکہ کی سرزمین پر اس پرخار وادی میں قدم رکھا اور بتوفیق الٰہی شکاگو میں تعلیم قرآن کے ایک حدیقہ کا آغاز کیا، ابتدءاً حضرت مولانا صدیق احمد باندویؒ پھر حضرت شاہ ابرارالحق صاحبؒ سے مشورے کرتا رہا ان حضرات کے مشورے کیا تھے، حقیقت میں وہ A to Z وٹامن ہوا کرتے تھے۔ ان حضرات کے چلے جانے کے بعد حضرت قاریؒ سے ٹیلیفون پر رابطہ رہا، حضرت بھی ہمارے اکابر کی نشانی تھے، حضرت کے نورانی چہرہ کو دیکھ کر ہی ایک گنہ گار کو دل میں توبہ کے احساسات اور استغفار کے جذبات پیدا ہوجاتے تھے اور اللہ یاد آجاتا تھا۔تواضع کا بھی عجیب حال تھا شاید اس سے بڑھ کر کوئی تواضع نہیں ہوسکتی ، بارہ سال قبل احقر نے ہندوستان آمد کے موقع پر اپنے بزرگوں سے ملاقات کے لیے لکھنؤ کا سفر کیا، اس دوران ہردوئی بھی حاضری ہوئی، حضرت شاہ ابرارالحقؒ سے ملاقات ہوئی، چند ہی گھنٹے قیام رہا، حضرت نے بڑے ہی مشفقانہ انداز میں فرمایا کہ دو ہفتے تو تم ہمارے پاس ٹھہرتے ، اللہ جانے اس میں کیا راز تھا، لیکن شیطانی عجلت نے وہاں سے جلد نکلوادیا، اب کفِ افسوس ملنے کے سوا کچھ نہ رہا، اس وقت احقر نے حضرت قاری صاحبؒ کو دیکھا کہ حضرت تشہد کی حالت میں ایسے بیٹھے ہیں جیسے مدارس کے تربیت یافتہ بچے اپنے اساتذہ کے سامنے بیٹھتے ہیں، وہ تو حضرت کے چہرہ کی نورانیت بتادیتی تھی کہ یہ کوئی بڑے اللہ والے ہیں اور آپ کے واقف کار ہی آپ کو سمجھ سکتے تھے، ورنہ جس ہیئت سے آپ مجلس میں بیٹھے تھے اس سے ایک نووارد کو یہ معلوم یا محسوس ہوتا تھا کہ کوئی سفیر صاحب اپنے ناظم صاحب کو اپنے سفر کے حسابات پیش کررہے ہیں۔

ادھر حضرت شاہ صاحبؒ کی خوردنوازی ومہمان نوازی ایسی تھی کہ لگتا تھا کہ ہم ایک صدی پیچھے چلے گئے ۔منتظم صاحب سے فرمارہے ہیں کہ بھائی حیدرآبادی ہیں ان کے لیے کھٹا بھی

بنوادو ہمارے بے وقت پہنچنے کے باوجود کھانا تیار کروایا اور خود سامنے بیٹھ کر ہمیں کھلایا اور میری فیملی کے ساتھ بھی حضرت کے زنان خانے میں یہی سلوک رہا اور ہمیں رخصت کرتے وقت مجھے اور میری اہلیہ اور چھوٹی بچی فاطمہ کو پانچ پانچ روپے کا ایک ایک سکہ عنایت فرمایا جو بطورِ یادگار عرصۂ دراز تک ہمارے پاس محفوظ رہے۔

وہ مئے خانے کہ جن میں سیکڑوں مستانے رہتے تھے
وہ سب سونے پڑے ہیں ان کی آبادی نہیں ہوتی
نہ ساقی ان کا باقی ہے ، نہ دورِ جام باقی ہے
کہیں پینے بھی جاتے ہیں تو سیرابی نہیں ہوتی

مگر یہ الفاظ یا اشعار حضرت مولانا صدیق احمد باندویؒ کو زیب دیتے ہیں ہم جیسے ویران دلوں کی زبانوں پر یہ الفاظ نہیں جچتے، کیوں کہ کبھی کبھی یہ تصور دھوکہ دیتا رہتا ہے کہ اب وہ بڑے کہاں ہیں جنہیں ہماری نگاہوں نے دیکھا یا ہم نے جن کو پڑھا ہے، حضرت علیؓ نے کسی سائل کو بہت عمدہ جواب دیا تھا، کسی نے پوچھا تھا کہ حضرت آپ سے پہلے کے خلفاء کے زمانے میں ایسا اختلاف وانتشار نظر نہیں آتا تھا جیسا آپ کے زمانۂ خلافت میں ہے، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ان کے مشیر ہم تھے ہمارے مشیر تم ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ دریا کے طوفان میں اپنے آپ کو بچانے کے لیے اس پتھر کا ایک سرا جو ہتھیلی کی گرفت میں آسکے کافی ہو جاتا ہے، اس لیے کہ پتھر کا چھوٹا سرا تو نظر آرہا ہے مگر اس کا طاقتور جسم زیرِ زمین مضبوط گرفت میں ہے۔

اس خادم اثم کو یقین ہے کہ دوسرے بزرگوں کے ساتھ ساتھ حضرت قاری صاحبؒ کی دعائیں بھی اس خادم کے ساتھ ہیں، اس لیے کہ جب کبھی میں فون کرتا تو حضرت فرماتے کہ میں آپ کے لیے دعا کررہا ہوں ، ایک دفعہ تو ایسا ہوا کہ حضرت اس سال احقر کو حج کی ترغیب دے رہے تھے، لیکن سوء اتفاق سے میرے ڈاکومنٹس مکمل نہیں تھے اس لیے اس وقت تو سعادت حاصل نہیں ہوسکی، حج سے فراغت کے بعد حضرت کا قیام مدینہ منورہ میں تھا، میں نے شکاگو سے فون کیا تو حضرت اس وقت ناشتہ تناول فرمارہے تھے، دورانِ گفتگو حضرت سے میں کچھ عرض کرتا حضرت نے خود مجھ سے پہلے فرمایا کہ ابھی چائے پی کر میں روضۂ اقدس پر جاؤں گا اور آپ کی طرف سے

سلام پیش کروں گا، اللہ کی ذات سے امید قوی ہے کہ ایسی ہستی کے ذریعہ پہنچا ہوا سلام ہرگز رد نہیں ہوگا، انشاء اللہ کہاں سے لائیں ایسے مشفقوں کو اب۔

ان پاکباز رندوں کو اب کہاں ڈھونڈیں
محفلیں بھی سونی ہیں میکدہ بھی خالی ہے

ایک گذارش: یہ ہے کہ چراغِ امیر سے سلگے ہوئے چراغوں کو حضرت کے خلفاء عظام امت میں خوب عام کریں، خصوصاً مدارس کے ماحول میں یہ خانقاہی نظام زندہ اور گرم ہونا چاہیے، ورنہ اندیشہ یہ ہے کہ یہ مدارس انجن کے بغیر ٹھیری ہوئی نمائش بسیں بن جائیں گی۔ دوسری طرف ان طلباء کے دماغوں میں نبوی غم کی کاشت کر کے دعوت وتبلیغ کی محنت سے انہیں جوڑ کر کرامت کے تاریک آشیانوں میں بھیجا جائے تاکہ بچوں کا ذہن بچپن سے داعیانہ بنے اور فراغت کے بعد امت کے درمیان پہنچ کر دعوت کا کام کرنے میں انہیں وحشت یا دشواریاں نہ ہوں۔ یہ تینوں اداروں کا آپس میں بڑا گہرا ربط ہے، خانقاہیں ابحارِ زمزم، مدارس اٰبارِ زمزم اور دعوت وتبلیغ ابر زمزم ہیں، سمندر کے پانی پر جب خوب گرمی پڑتی ہے تو وہ پانی بھاپ وبخارات بن کر فضاؤں میں جا کر ابرِ رحمت بنتا ہے پھر جہاں ضرورت ہوتی ہے تو خالق ارض وسماء اس بادل کو اس خطہ پر بھیج کر برسادیتے ہیں۔ اَللّٰہُ الَّذِی یُرْسِلُ الرِّیَاحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا الخ اس لیے ابرِ زمزم، اٰبار زمزم اور ابحارِ زمزم کا ایک صحیح اشاعتی ادارہ ہے۔

اللہ پاک حضرت کی قبر کو روضۃ من ریاض الجنۃ بنادے، آمین۔ اور ہمارے اندر حضرت کی صفاتِ عالیہ پیدا فرمادے۔ آمین

(بہ شکریہ ماہنامہ ضیائے علم حیدرآباد ماہِ اپریل ۲۰۱۲ء)

عارف باللہ حضرت مولانا قاری امیر حسن صاحبؒ
کچھ یادیں کچھ باتیں

حافظ مقصود احمد طاہر
ناظم جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم حیدرآباد

خالق کائنات نے اس روئے زمین پر از آدم تا ایں دم اَن گنت اور لاتعداد انسانوں کو پیدا فرمایا، اُنہی میں ایک لاکھ سے زائد نفوسِ قدوسیہ کو نبوت ورسالت کا منصبِ جلیل عطا فرمایا، جنہوں نے اپنے اپنے وقتوں پر اللہ رب العزت کے پیغام کو پہونچایا۔ سب سے آخر میں نبی آخر الزماں سرورِ کون ومکاں محسنِ انسانیت سرکارِ دوعالم ﷺ کو پیدا فرمایا، آپ ﷺ کو قرآن پاک اور ایسا پیغام دیا گیا جو آفاقی اور تاقیامت رہنے والا ہے۔ اور آپؐ نے ۲۳ سالہ مکی اور مدنی دور میں اس کے نفاذ کی کوشش کی اور حجۃ الوداع کے موقعہ پر آپ نے علی الاعلان فرمادیا کہ میں اس پیغام کو بغیر کسی کمی وبیش کے پہنچا چکا، جس پر صحابہ کرامؓ کو گواہ بھی بنایا، اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد اسی نفاذِ شریعت اور اصلاحِ امت کے کام کو صحابہ کرامؓ نے اور اُن کے بعد تابعین نے انجام دیا، ان کے بعد اس کام کی انجام دہی کے لیے اللہ تعالیٰ نے یکے بعد دیگرے علماءِ کرام کو منتخب فرمایا کہ ان سے اس فریضہ کو پورا کروایا اور یہ سلسلہ تاقیامت جاری رہے گا۔ فی زمانہ اُن ہی منتخب اشخاص میں سے ایک شخصیت عارف باللہ حضرت مولانا قاری امیر حسن نور اللہ مرقدہٗ کی بھی ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے نوعمری کے زمانہ سے ہی خوب خوب کام لیا۔ حضرت والاؒ کی زندگی کے حالات تقریباً ایک صدی پر محیط ہیں، اس کا احاطہ کرنا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ کچھ یادیں اور باتیں ذہن میں ہیں جن کو اختصار کے ساتھ سپردِ قرطاس کرنے کی کوشش کررہا ہوں۔

سن ۱۹۷۲ء کی بات ہے کہ حضرت قاری صاحبؒ جب مدرسہ فیض العلوم میں (درجاتِ عربی وفارسی کا قیام عمل میں آیا تھا) حیدرآباد تشریف لائے تھے، اسی زمانہ میں احقر بھی مدرسہ فیض العلوم کا درجۂ حفظ کا طالب علم تھا، دل ہی دل میں داعیہ اور خواہش پیدا ہوئی کہ حضرت قاری صاحب سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کروں، اس وقت میری عمر ۱۰/۱۱/سال کی رہی ہوگی۔ حضرت استاذِ محترم حضرت حافظ سید حقانی صاحب اعمیٰ رحمہ اللہ سے مشورہ کیا، استاذِ محترم نے بہت سے مشوروں سے نوازا اور انہوں نے پہلے خط کا املا بھی کروایا۔ اس خط کو لے کر ڈرتا ہوا حضرت والاؒ کے کمرہ میں حاضر ہوگیا، حضرت نے پوچھا کیسے آنا ہوا؟ میں نے حضرت والا کے ہاتھ میں لفافہ تھما دیا، حضرت والا نے پڑھ کر فرمایا: بعد میں جواب دونگا، یہ پہلا موقع تھا کہ حضرت والا کی خدمت میں باقاعدہ اصلاح کی نیت سے پہونچا، دوسرے دن حضرت والا نے بلوا کر وہ خط مجھے دے دیا، اس میں حضرت نے تحریر فرمایا تھا کہ تمہارا طالبِ علمی کا دور ہے، زیادہ توجہ تعلیم پر دی جائے، بیعت ہونا کوئی ضروری نہیں ہے، ویسے اصلاحی تعلق رکھنا ہو تو اجازت ہے۔ اس کے بعد سے حضرت والا کی خدمت میں بار بار حاضری کی سعادت نصیب ہوتی رہی، حضرت والا کی عنایات بھی اس سیاہ کار پر بے حساب ہوتی رہیں، لیکن یہ نالائق جس طرح سے قدر کرنا چاہیے تھا نہیں کرسکا۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اس کمی وکوتاہی کو معاف فرمائے۔ آمین

حضرت والا رحمہ اللہ تقویٰ کے بہت اونچے مقام پر فائز تھے، عبادات میں غیر معمولی اہتمام تھا، گوشہ نشینی اور عزلت کو پسند فرماتے تھے، بڑی محفلوں اور مجالس میں جانے سے اجتناب فرماتے، اپنے آپ کو حد درجہ چھپائے رکھا تھا، کوئی جلسہ ہوتا یا محی السنہ شاہ ابرار الحق صاحبؒ کی مجلس ہوتی تو خاموشی سے ایک کنارہ پر بیٹھ جاتے کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ اس مجلس میں حضرت والاؒ بھی موجود ہیں ریاکاری، نام ونمود سے نفور فرماتے، سادگی اور تواضع کا یہ عالم تھا کہ کوئی اگر بیعت کے لیے کہتا تو فوراً فرماتے کہ کسی بڑے سے رجوع کردیں اس کا اہل نہیں ہوں، حالانکہ اہل علم جانتے ہیں حضرت کی بزرگی، تقویٰ وطہارت اور نسبت کتنی مضبوط ومسلّم تھی، اس کے باوجود بیعت سے انکار فرماتے، اگر طالب کے اندر اشتیاق زیادہ پاتے تو بیعت فرمالیتے، خواتین کی اصلاح کی بہت فکر فرماتے، اگر کسی گھر میں میاں بیوی میں نااتفاقی ورنجش ہو اور حضرت والا کو

اطلاع ہو جاتی تو بے چین ہو جاتے اور اوّلین فرصت میں بلوا کر آپسی اختلافات کو دور کروا دیتے اور آپس میں مل جانے پر خوشی کا اظہار بھی فرماتے۔

حضرت والا رحمہ اللہ معاملات کی صفائی کا بھی خاص خیال فرماتے تھے، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت مولانا احمد عبداللہ طیب صاحب مدظلہ کے ہمراہ جامعہ عربیہ ہتورا ضلع باندہ جانے کا اتفاق ہوا، وہاں مجلس شوریٰ کا اجلاس مقرر تھا، جس میں حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری گجرات بھی تشریف لائے ہوئے تھے، حضرت مولانا طیب صاحب کسی کام سے ہتھورہ ہی رک گئے احقر ہردوئی سفر کے ارادہ سے باندہ پہنچ گیا، اتفاقاً مفتی احمد خانپوری مدظلہ سے بس میں ملاقات ہوگئی، وہ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ سے ملاقات کی غرض سے لکھنؤ تشریف لے جارہے تھے، میں نے تعارف کے بعد ہردوئی حضرت قاری امیر حسن صاحبؒ کی خدمت حاضر ہونے کا ارادہ ظاہر کیا، جیسے ہی حضرت کا نام سنا، مفتی صاحب نے فرمایا: حضرت قاری صاحبؒ اللہ کے خاص بندوں میں سے ہیں اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے خاص اور اجلّ خلفاء میں سے ہیں، فرمایا کہ: میں خود بارہا دیکھا کہ حضرت شیخؒ، حضرت قاری صاحب کو اپنے قریب بٹھاتے اور اپنی پلیٹ میں کھانا کھلاتے۔ یہ کہتے ہوئے اپنے جیب میں ہاتھ ڈالا اور کچھ پیسے نکال کر مجھے دیے اور کہا کہ یہ پیسے حضرت قاری صاحب کو دیدینا، میں نے وہ پیسے رکھ لیے، جب ہردوئی پہونچا تو حضرت وہاں موجود نہیں تھے، معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ دس پندرہ دن میں سفر سے لوٹیں گے۔ میرا پہلے سے ٹکٹ بک تھا، میں نے وہ پیسے حافظ مصطفیٰ صاحب (جو حضرت والا کے مجاز بھی ہیں) کے حوالہ کیا اور بتا دیا کہ یہ حضرت مفتی صاحب کی امانت ہے جو حضرت کو دینی ہے، براہ کرم آپ حضرت والا کو پہونچا دیں۔ پھر میں حیدرآباد واپس ہوگیا، چند دن کے بعد حضرت والا کا خط آیا جس میں لکھا ہوا تھا تمہارے ذریعہ مفتی صاحب نے جو رقم بھیجی تھی وہ مل گئی، ایک خط مفتی صاحب کو بھی لکھ دیا ہے اور رقم کے ملنے کی اطلاع بھی دیدی ہے۔ بظاہر یہ بات چھوٹی معلوم ہوتی ہے لیکن حضرت والا کے پاس اس کی بڑی اہمیت تھی، اور چاہتے تھے کہ معاملات بالکل صاف صاف ہوں اسی لیے حضرت والا نے دونوں طرف خطوط لکھے تاکہ دونوں کو بھی مطلع کر دیا جائے کہ رقم مل گئی۔

ایک سال پہلے کی بات ہے کہ حضرت والا کی خدمت میں اپنی مرتب کردہ صدیقی جنتری ۲۰۱۱ء تحفۃً پیش کی، جلدی میں جیب سے نکالا اور دیدیا، مجھے احساس بھی نہیں کہ اس میں پانچ روپئے کا نوٹ بھی ہے اور گھر چلا آیا، دوسرے دن حضرت والا نے بلوایا اور فرمایا کہ تم نے جو جنتری دی تھی اس میں پانچ روپئے بھی تھے اس کو رکھ لیں، تم نے جنتری دی، پیسے نہیں دیے تھے، اور وہ پیسے لوٹا دیئے۔ یہ بات معمولی لگتی ہے مگر جس نے اپنے کو دنیا میں مسافر سمجھا ہو اور جس کے سامنے آخرت ہمیشہ مستحضر ہو ایسے شخص کے لیے بہت بڑی ہوتی ہے۔

☆ ایک مرتبہ حضرت والا کی خدمت پہنچ کر عرض کیا کہ حضرت آپ جو بھی وقت عنایت فرمائیں احقر اس ضیافت کو اپنے لیے سعادت سمجھے گا۔ جس پر حضرت والا سخت ناراض اور خفا ہوگئے اور فرمایا کہ: جسمانی غذا کی تو فکر ہے، روحانی غذا کی فکر نہیں، پھر از خود نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں یوں کہنا چاہیے تھا کہ گھر کچھ دین کی باتیں سنادیں اس وقت اگر کھانے کا وقت ہو تو ضمناً کھانا بھی ہوجائیگا، اللہ اکبر! کیا شفقت تھی دین کی دعوت کو مقدم اور کھانے کی دعوت مؤخر فرماتے تھے۔

☆ مہمانوں کا غیر معمولی اکرام فرماتے تھے، چاہے آنے والا مہمان عمر میں کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو، ایک مرتبہ ہردوئی میں دیکھا کہ حضرت کے ایک مرید تشریف لائے حضرت والا نے اُن کا کھڑے ہوکر استقبال کیا اور جب جانے لگے تو اکراماً گیٹ تک رخصت کرنے تشریف لے گئے، ایسا معاملہ ہر ایک کے ساتھ ہوا کرتا تھا۔

☆ حضرت والا مستجاب الدعوات لوگوں میں سے تھے، حیدرآباد کے کسی ایک معزز شخص کو گرفتار کرلیا گیا تھا، اس وقت حضرت والا حیدرآباد سفر پر تھے اور طبیعت بھی بہت خراب تھی، اس شخص کے تفصیلی حالات سنائے گئے اور حضرت والا سے دعا کی گذارش کی گئی اس وقت حضرت والا نے غیر معمولی رقت انگیز دعا فرمائی تھی، جس کے بعد استاذ محترم حضرت حافظ محمد اسحاق صاحب مدظلہ نائب ناظم مدرسہ فیض العلوم حیدرآباد (جو حضرت والا کے سب سے زیادہ با اعتماد شاگرد ہیں) نے خود مجھ سے فرمایا کہ مقصود میاں! دعا تو ہم بھی کرتے ہیں لیکن آج شیخ نے جو دعا کی اس کا انداز ہی الگ تھا، الحمدللہ اس کے چند ہی دن کے بعد اطلاع ملی کہ جس شخص کے لیے دعا

کرائی گئی تھی اُن کو باعزت بری کردیا گیا۔ ایسے بیسیوں واقعات ہیں، حضرت نے جب جب دعا کی اس کی قبولیت کے آثار لوگوں نے کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔

☆ احقر نے جب سے ہوش سنبھالا تقریباً ۳۵/سال سے حضرت والا کے بارے میں برابر اطلاع ملتی کہ حضرت والا حج کو تشریف لے گئے، حضرت والا نے کتنے حج کئے حضرت والا کے خدام خاص ہی بتا سکتے ہیں۔ یہ حضرت والا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت تھی اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی خاص دعا تھی کہ ہر سال حج کو تشریف لے جاتے اور عمرہ کے لیے علاحدہ سفر فرماتے۔

حضرت والا میں خیر خیرات اور فیاضی کا جذبہ بھی بہت تھا۔ مدرسہ کے وہ طلبہ جن کا جیب خرچ نہیں آتا غریب تھے حضرت والا خاموشی سے اُن کی مدد فرمادیتے، اس کے علاوہ کچھ مخصوص گھر ایسے تھے جہاں پر پابندی سے حضرت والا ماہانامہ پیسے پہونچادیا کرتے۔

آنے والے مہمانوں کا بھی وقتاً فوقتاً تعاون فرماتے۔ ایک مرتبہ کی بات ہے حضرت والا کا قیام بمبئی میں تھا، احقر اور ڈاکٹر محمد عباس خان صاحب (مالک سولیس آپٹیکلس) جو حضرت کے خاص مریدین میں سے ہیں، بمبئی پہنچ گئے، حضرت والا سے ملاقات کی از خود ہم نے کہدیا کہ قیام کا اپنا انتظام کرلیا ہے۔ اگر انتظام نہ ہوتا تو حضرت کے فکر دامن گیر ہوتی انہیں کے بارے میں سوچ اور فکر فرماتے تاوقتیکہ قیام کا نظم نہ ہوجائے، ہم لوگوں نے دو دن بمبئی قیام کیا حضرت کی مجلسوں میں شریک ہوتے رہے، جب واپس ہونے لگے تو حضرت سے ملاقات کی غرض سے کمرہ میں پہنچے تو حضرت والا نے از راہ کرم فرمایا کہ تم لوگ یہاں میرے پاس آئے ہو میں خود دوسروں کا مہمان ہوں تمہاری کوئی ضیافت نہ کرسکا (حالانکہ حضرت والا میزبان کی اجازت سے ہر دعوت میں ہم کو ساتھ لے جاتے تھے) پھر فرمایا یہ پیسے ہیں اس کو رکھ لیں چائے پی لینا۔ اس طرح بہت سے لوگوں کی مدد فرماتے تھے۔

حضرت والا اکثر اپنی مجلسوں میں فرمایا کرتے تھے کہ ”آدمی کو چاہیے کہ یکسوئی کے ساتھ ایک جگہ کام میں لگا رہے، حالات تو آتے جاتے رہتے ہیں لیکن جگہ نہ بدلئے، دنیا میں ہم روز دیکھتے ہیں لوگ طبیعت کے خلاف ذرا بھی کام ہوجائے تائید بدل دیتے، پارٹیاں بدل دیتے ہیں

خود اپنی پارٹی بنالیتے ہیں، دیندار حضرات ایک ادارہ سے دوسرا، دوسرے سے تیسرا ادارہ، ایک مسجد سے دوسری، دوسری مسجد سے تیسری مسجد بدل دیدتے ہیں، لیکن حضرت والا کو تعلیم سے فراغت کے بعد اُن کے استاذ فقیہ الامت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ نے مجلس دعوۃ الحق ہردوئی بھیجا تھا، حضرت والا نے تاحیات حضرت محی السنہ مولانا شاہ ابرارالحق صاحبؒ کی ماتحتی میں اور ان کے بعد اوران کے بعد ستر سے بھی زائد سال کام کیا اور اتنا طویل عرصہ ایک ہی جگہ پر جمے رہے یہ حضرت والا کا خصوصی وصف بلکہ کرامت تھی۔ اللہ کرے یہ وصف ہم کو بھی اپنے کرم سے عنایت فرمائے (آمین)

اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو غیر معمولی ذہانت اور قوتِ حافظہ عطا فرمایا تھا۔ ایک مرتبہ کوئی شخص حضرت والا سے کسی کی معرفت ملاقات کرتا اس کو ضرور یاد رکھتے اور عندالملاقات اس کے بارے دریافت فرماتے اگر ضروری سمجھتے تو اس کو بلوا کر خیریت معلوم کرتے۔ اس حرص وہوس کی دنیا میں کون کس کی خبر گیری کرتا ہے؛ لیکن یہ اللہ والے ہر مؤمن اور مسلمان کو اپنا حق سمجھتے تھے۔

جانے والا اپنے ساتھ بے حساب خوبیاں لے کر چلا گیا۔ متوسلین کو اللہ تعالیٰ نعم البدل عطا فرمائے، اور حضرت والا کے درجات بلند فرمائے۔ (آمین)

نئے شہر میں دینی کتابوں کا جدید مرکز

مَکتبۂ کلیمیہ

MAKTABA KALEEMIYA

ISLAMIC BOOK STORE

ہمارے یہاں قرآن مجید پارے، حضرت حکیم محمد اختر صاحب مولانا تقی عثمانی صاحب، حضرت پیر ذوالفقار صاحب نقشبندی مولانا طارق جمیل صاحب ودیگر علماء ومصنفین کی اردو انگریزی، تلگو اور ہندی زبان میں مستند دینی کتابیں دینی مدارس کے رجسٹرات وغیرہ خصوصی رعایت کے ساتھ دستیاب ہیں۔

رحمٰن کامپلکس (پہلی منزل) روبرو ہمالیہ بکڈپو درگاہ حضرت یوسفین چوراستہ، نامپلی حیدرآباد

فون: 9030474265,9885655591

حضرت قاری امیر حسن صاحبؒ کی چند یادیں

مولانا یوسف الدین مظہر مظاہری
استاذ ادارہ امداد العلوم نارائن کھیڑ

اس وقت دنیا میں تمام مذاہب کے ترجمان اپنے اپنے مذہب کی تقویت کے لیے جان توڑ محنتیں کر رہے ہیں، اگر کہیں کسی مذہب کے شیدائیوں میں کوئی اپنے مذہب پر تحقیقی موضوع پر بحث شروع کردے تو سارے ہم مذہب ایسے شخص کے گرد جمع ہوجاتے ہیں اور اس کو اپنا قائد بلکہ ایک قدم آگے بڑھا کر خدا اور اپنے خدا کا اوتار سمجھتے ہوئے اس کی عبادت کرنا شروع کردیتے ہیں۔

لیکن **الحمد للہ ثم الحمد للہ علی دین الاسلام** کہ اسلام کے پرستاروں میں سینکڑوں نہیں ہزاروں نہیں لاکھوں کروڑں ایسے محققین اور باکمال اور باعمل علم کے پہاڑ اشخاص ہر زمانے میں پیدا ہوئے ہیں کہ ان کی علمی وروحانی شخصیتوں کی برکت سے یہ دنیا کا نظام چلتا آرہا ہے، ایسے ہی صفاتِ قدسیہ اور اعلیٰ اخلاق کے حامل اشخاص میں سے محبوب العلماء والا ولیاء حضرت قاری امیر حسن صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی ذات بابرکت تھی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فیاض ہاتھوں سے حضرت قاری صاحبؒ میں تمام اعلیٰ اوصاف واخلاق کو جمع کردیا تھا۔ علمی کمال اور اپنے وقت کے جلیل القدر علماء وبزرگانِ دین کے نورِ نظر ہونے کے باوجود تواضع کا یہ حال تھا کہ ہر شخص سے ملاقات کرتے اور اس کے احوال بغور سن کر خوشی کی بات ہوتی تو خوشی کا اظہار فرماتے اور غم کی بات ہوتی تو غمگین شخص کے غم میں خود بھی شریک ہوتے اور اس کے لیے تسلی کے کلمات ارشاد فرماتے تھے، اور مدرسہ میں جب طالبِ علم سے ملاقات کرتے تو وطن، مقام معلوم کرتے جس سے اس طالبِ علم کی خوشی کی انتہا نہیں رہتی اور حیا کا حال بھی بڑا عجیب تھا، بڑے حیا دار تھے، ضعف کے باوجود بھی اکثر متورک بیٹھا کرتے تھے، اور بیان پر مغز اور شیرین ہوتا تھا،

بیان میں بعض جملے اکثر استعمال کرتے تھے، ان جملوں میں آدمی کو بڑا فائدہ ہوتا، اور بار بار سننے سے وہ بات ذہن نشین ہوجاتی، اس کے ذریعہ نیک کام میں سبقت کرنے اور برائی سے بچنے میں مدد ملتی ہے، حضرتؒ کی چند قیمتی باتیں یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

☆ فرماتے تھے کہ پہلے زمانہ میں لوگ سمجھتے تھے کہ اولاد بنے گی تو میری وجہ سے بنے گی اور بگڑے گی تو میری وجہ سے بگڑے گی، اس زمانہ میں لوگ سمجھتے ہیں کہ بنے گی تو خود بنے گی اور بگڑے گی تو خود بگڑے گی، پھر آگے فرماتے تھے کہ اولاد تو بھگتے گی ہی، ماں باپ کو بھی بھگتنا پڑے گا، آج کل لوگ اولاد کی وجہ سے کتنے پریشان ہیں اس کی وجہ صحیح تربیت نہ ہونا ہے۔ جب کہ اولاد آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ حقیقتاً بات یہی ہے، آج سب سے بڑا المیہ اور فکر یہ ہے کہ اولاد کی صحیح تربیت کا فقدان ہے جس کی وجہ سے صالح معاشرہ وجود میں نہیں آتا اور جب صالح معاشرہ وجود میں نہیں آئے گا تو جرائم کی کثرت ہوگی اور آج ہر انسان دیکھ رہا ہے، ماں باپ سے زیادہ اولاد جرائم پیشہ ہیں۔

☆ اور فرمایا کرتے تھے کہ **لکل شیئ آفة وللعلم آفات** ہر چیز کے لیے ایک آفت ہوتی ہے مگر علم کے لیے ہزاروں مصیبتیں اور رکاوٹیں ہوتی ہیں اور فرماتے کہ کبھی والدین نہیں چاہتے اور استاذ بھی صحیح نہیں ملتا، اگر استاذ صحیح ملے تو والدین کا ارادہ نہیں ہوتا اور والدین اور استاذ چاہتے ہیں تو لڑکا نہیں چاہتا اور سب پڑھانے کا ارادہ کریں تو صحت ساتھ نہیں دیتی، اس لیے ہزاروں رکاوٹیں ہیں، اس لیے خوب ڈرتے رہنا چاہیے۔ واقعتاً اساتذہ اور طلبہ کے لیے بڑی سبق آموز نصیحت ہے۔

☆ فرماتے تھے کہ حضرت مولانا قاسم صاحب نوراللہ مرقدہٗ نماز کے لیے تیاری جماعت سے ایک گھنٹہ پہلے سے کرتے تھے۔ اللہ اکبر! کس قدر اہم بات ارشاد فرمائی کہ سارا عالم جس کے فیض سے مستفید ہو رہا ہے اس کا نماز با جماعت کے اہتمام کا یہ حال ہے۔ خدام دین کے لیے بڑی عبرت آموز نصیحت ہے۔

حضرت قاری صاحبؒ اکثر مختصر اور جامع نصیحت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ اس کی وجہ بھی ارشاد فرمائی کہ اصل تو دین کی فکر پیدا کرنا ہے، ایک دو بات ہی کیوں نہ ہو، اس سے دین کی فکر

ہو جائے تو ایک گھنٹہ کی تقریر سے بہت بہتر ہے، نئی باتیں ہونا ضروری نہیں ہے، اصل فکر پیدا ہونا چاہیے، اسی طرح اور کئی سبق آموز اور نصیحت آموز باتیں ہوتی تھیں، جب بھی حیدرآباد تشریف لاتے تو اکثر ملاقات کا شرف حاصل ہوتا، مگر اب کہاں وہ پرنور وپُر بہار مجالس اور نورانی چہرہ دیکھنا نصیب ہوگا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون. اللہ تعالیٰ حضرتؒ کی مغفرت فرمائے۔ حضرت کے ملفوظات سے زندگی میں تازگی پیدا کرنے کی توفیق نصیب کرے۔

راقم کو اپنے اساتذۂ کرام خصوصاً حضرت اقدس مفتی عبدالمغنی صاحب مدظلہٗ اور حضرت مولانا محمد ولی الدین صاحب مدظلہٗ کے ذریعہ مدرسہ فیض العلوم میں اہل اللہ سے ملاقات، خدمت میں رہنے کے مواقع نصیب ہوئے، اکثر رات میں رہنے اور خدمت کرنے کا جہاں اور ساتھیوں کو موقع نصیب ہوتا تھا راقم کو بھی بہت مرتبہ یہ سعادت حاصل ہوئی۔

ان ہی ایام کا ایک واقعہ ہے کہ ایک دفعہ رات میں حضرت قاری صاحبؒ کی خدمت میں رہنے کا موقع نصیب ہوا۔ اللہ اکبر! ۱۲ بجے تک مہمانوں سے ملاقات کی اور ان کے مسائل کو سنا اور اس کا حل تعلیم فرمایا، اس وقت قیام حیدرآباد میں تھا، ہم انتظار میں تھے کہ حضرت آرام کا ارادہ فرمائیں تو کچھ دیر خدمت کریں، ۱۲ بجے کے قریب حضرت نے آرام کرنے کا ارادہ کیا، ہم حضرت کی چارپائی کے بازو سونے کے لیے بستر بچھائے، اور کچھ خدمت بھی کی، اس کے بعد حضرت پھر ۲ بجے نیند سے بیدار ہوئے اور ہم کو بھی حضرت ہی نے جگایا، بچپن تھا، کچھ احساس نہیں تھا، ادب کیا ہوتا ہے، لیکن اس قدر احساس اس وقت بھی ہے، نماز کے لیے بیدار کرتے ہوئے بڑے محبت اور الفت کا اظہار فرمایا: کہ بیٹا اٹھو نماز کا وقت ہو گیا ہے، دیر تک ہم حضرت کے ساتھ رہے، اس کے بعد حضرت نے ہم کو مدرسہ جانے کا حکم دیا، مگر اس وقت کا مزہ آج بھی محسوس ہوتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حضرتؒ کی مغفرت فرمائیں۔ حضرتؒ کے بتائے ہوئے طریقہ پر چل کر کامیاب ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

حضرت قاری صاحبؒ کا ایک اصلاحی خطاب

مرتبہ: مولانا محمد انوار خلیل ہردوئی
مسجد کچہ پل چوپٹیاں لکھنؤ

قارئین کرام کو معلوم ہو چکا ہوگا کہ ہم سب کے سرپرست اور مربی حضرت قاری امیر حسن صاحب کا وصال ہوگیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ اللہ پاک حضرت قاری صاحب کی بال بال مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس نصیب فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

حضرت قاری صاحب ہم سب پر بہت شفیق ومہربان تھے، بالکل ماں باپ کی طرح تھے۔ حضرت قاری صاحبؒ نے اپنی پوری زندگی امتِ مسلمہ کی فلاح و بہبود کے لیے وقف کررکھی تھی۔ بالخصوص طلباء کرام پر حضرت قاری صاحبؒ بہت شفیق تھے، ہر وقت قاری صاحبؒ کو فکر دامن گیر رہتی تھی کہ کسی طرح طلباء کے اوقات کا نقصان نہ ہو، جمعہ کے دن بھی حضرت طلباء کا سبق سنا کرتے تھے، ناغہ کرنے پر ناراض بھی ہوتے تھے، فرماتے تھے کہ ایک دن کا سبق ناغہ ہونے سے چالیس دن کی برکت چلی جاتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی سنتوں پر خاص طور سے عمل کرنے کی تاکید فرماتے تھے اور گناہوں سے بچنے کی تلقین کرتے تھے۔ خاص طور سے فرماتے تھے کہ تین گناہوں سے آدمی اپنے آپ کو بچالے تو اور باقی گناہوں سے بچنا آسان ہوجاتا ہے۔ وہ تین گناہ یہ ہیں (۱) بدگمانی (۲) بدنگاہی (۳) غیبت۔ اب ضرورت یہ ہے کہ ہم سبھی لوگ زیادہ سے زیادہ حضرت قاری صاحبؒ کے لیے ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کریں۔ اور زندگی بھر قاری صاحبؒ نے جن باتوں کی طرف توجہ دلائی تھی اس پر عمل کریں۔

ذیل میں حضرت قاری صاحبؒ کا وہ بیان قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے جو حضرتؒ نے چند سال قبل انجمن اسلامیہ ہردوئی کے سالانہ جلسہ میں کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرت قاری صاحبؒ کی نصیحتوں پر اخلاص کے ساتھ تادم آخر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ، وَمَا ھٰذِہِ

اَلْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا لَھْوٌ وَ لَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ ، لَوْکَانُوْا یَعْلَمُوْنَ . صدق اللہ العظیم. قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اَلدِّیْنُ اَلنَّصِیْحَۃُ او کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم. حضور اکرم ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ اعمال کا دارو مدار نیت پر ہے۔

آپ حضرات یہاں جلسہ میں کس نیت سے آئے ہیں؟ بہت سے لوگ اس نیت سے آئے ہیں کہ چلو اتنی دیر دین کی باتیں سنیں گے، اچھا ہے وقت گذر جائے گا۔ بہت سے لوگ اس نیت سے آئے ہیں کہ دیکھیں کون کیسا بیان کرتا ہے؟ مختلف نیتوں سے لوگ حاضر ہوتے ہیں لیکن اصل نیت کیا ہونی چاہیے؟ وہ یہ کہ دین کے لحاظ سے جو اپنے اندر کمی ہے اس کمی کو معلوم کر کے ہم دور کریں گے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ہمیں کامل مسلمان بننے کا حکم دیا ہے۔ تو کامل کیسے بنیں گے؟ دین کے ہر ہر حصہ پر مرتے دم تک عمل کرنے کی کوشش کرتے رہنے سے، جیسے اعلیٰ کامیابی کے لیے امتحان میں ضرورت ہوتی ہے ہر پرچہ میں اعلیٰ کامیابی حاصل کرنے کی۔ جیسے پانچ پرچوں میں سے چار میں تو اعلیٰ نمبر حاصل کر لیا، ایک میں صفر آ گیا تو کہا جائے گا کہ اعلیٰ کامیابی نہیں ہے۔ اسی طریقہ سے دین کے پانچ حصے ہیں اور حضور اکرم ﷺ نے دین کی باتیں ۲۳ برس میں پورا کی تو ظاہر بات ہے ۲۳ برس کی باتیں ایک مجلس میں کوئی نہیں سنا سکتا۔ لیکن دین کی باتیں چاہے تھوڑی دیر ہوں یا زیادہ دیر ہوں خواہ کتاب سے دیکھ کر سنائی جائے خواہ زبانی سنائی جائے، یہ ہو نہیں سکتا کہ ادنی دین کی بات سنے اور اثر نہ ہو۔ دین کی باتوں میں اللہ تعالیٰ نے مقناطیسی کشش رکھی ہے جیسے مقناطیس ہوتا ہے سوئی دور ہو تو پتہ نہیں چلتا، قریب ہوتی ہے فوراً مقناطیس سوئی کو کھینچ لیتا ہے۔ ایسے ہی انسان جب تک دین سے دور ہے، دین پر چلنا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جیسے جیسے دین کے قریب آتا ہے دین کی طرف کھینچ جاتا ہے۔ تو دین کے حصوں میں سے ایک حصہ معاشرت کہلاتا ہے۔ یعنی زندگی گذارنے کا طریقہ۔ سرکارِ دو عالم ﷺ ایسا خوبصورت طریقہ لے کر آئے کہ قیامت تک اس سے خوبصورت طریقہ اور کوئی نہیں بتا سکتا۔ آپ ﷺ ایسا آسان طریقہ لے کر آئے کہ اس سے آسان طریقہ قیامت تک کوئی نہیں بتا سکتا، اور آپ ﷺ ایسا کامل طریقہ لے کر آئے کہ قیامت تک اس سے کامل طریقہ کوئی نہیں بتا سکتا۔ تو آپ ﷺ کا طریقہ

احسن ہے اور اسہل ہے اور اکمل ہے۔ یہ تو آج ہم لوگ معاشرت کو دین نہیں سمجھ رہے ہیں یہ بھی دین کا حصہ ہے اہم حصہ ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ رات میں جب گھر میں داخل ہوتے تو ایسے انداز سے سلام کرتے کہ گھر کے لوگ جو سورہے ہوں تو آنکھ نہ کھل جائے، حالانکہ سرکار دو عالم ﷺ کی بیبیاں تو عاشق تھیں، اگر آنکھ بھی کھل جائے تو تکلیف کے کیا معنی۔ لیکن امت کو آپ نے تعلیم دی۔

اتنا بڑا مجمع ہے، مسئلہ ہے، مفتی صاحب بھی موجود ہیں، گھر میں جب بھی جائے چاہے ایک ایک منٹ میں جائے، ہر دفعہ السلام علیکم کہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے کہا ہے کہ سلام کرنے سے بیوی بچوں سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ اتنی محبت تو ضروری ہے کہ ان کے حق میں کمی نہ آجائے۔ لیکن غالب محبت اللہ تعالیٰ کی ہونی چاہیے۔ سلام کرنے سے گھر میں برکت ہوتی ہے۔ برکت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک ہزار کا دس ہزار ہوجائے یہ تو کرامت ہے۔ برکت یہ ہے کہ تھوڑے سے میں اللہ تعالیٰ کام بنا دیتے ہیں۔ بے برکتی آتی ہے تو ۵ روپے میں جو کام ہوتا ہے ۵۰ روپے خرچ ہونگے، ۵۰ میں جو کام ہوتا ہے ۱۰۰ روپے خرچ ہونگے، ۱۰۰ روپے میں جو کام ہوتا ہے ۱۰۰۰ روپے خرچ ہونگے۔ ہزاروں روپیوں کی آمدنی ہے، پھر بھی مہینہ کے خرچ میں کم پڑ جاتے ہیں تو کمائی کی کمی نہیں ہے۔ پہلے زمانے میں ایک آدمی کماتے تھے گھر بھر لوگ کھاتے تھے، اب گھر بھر لوگ کمارہے ہیں پھر بھی ضروریات پوری نہیں ہورہی ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ برکت والے اعمال اب ہماری زندگیوں میں نہیں رہے۔ انہیں برکت والے اعمال میں علماء نے سلام کو لکھا ہے اور سلام کرنا سنت ہے۔ سنت پر عمل کریں گے تو آخرت میں اجر ملے گا۔ اتنا بڑا مجمع ہے، ہر شخص سوچے اس سنت پر عمل کررہے ہیں کہ نہیں کررہے ہیں، اگر نہیں کررہے ہیں تو اسی وقت سے نیت کریں کہ جب گھر میں جائیں گے تو ہم سلام کریں۔ ہے مختصر بات لیکن چونکہ عادت نہیں ہے اس لیے خاموشی سے گھر میں جاتے ہیں۔ بزرگوں نے لکھا ہے خاموشی سے گھر میں جانا بڑی بے حیائی کی بات ہے، سلام کرے یا اپنا نام پکار دے، کیا پتہ کون کس حال میں ہے؟ حضور اکرم ﷺ رات میں گھر جاتے تو ایسے انداز سے سلام کرتے کہ گھر کے افراد کی آنکھ نہ کھل جائے۔ حدیث میں آتا ہے کہ تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس کا معاملہ بیوی بچوں کے ساتھ اچھا ہو اور حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں میں اپنے متعلقین کے ساتھ اچھا ہوں۔ آج ہمارا معاملہ بیوی کے ساتھ درست نہیں

ہے۔اس لیے علماء نے لکھا ہے کہ کسی مرد کو جائز نہیں کہ کسی عورت کو حقیر سمجھے، کیا پتہ کہ عورت پہلے جنت میں چلی جائے اور مرد سزا بھگت کر جنت میں داخل ہو۔

ہاں تو ایک بات بتا دی گئی ''سلام''، سلام کرنے سے تین فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ (۱) ایک تو یہ ہے کہ سنت ہے، آخرت میں اجر ملے گا۔ (۲) دوسرے یہ ہے کہ بیوی بچوں سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ اتنی محبت تو ضروری ہے کہ ان کے حق میں کمی نہ آجائے۔ (۳) تیسرے یہ کہ سلام کرنے سے گھر میں برکت ہوتی ہے۔ اسی طریقہ سے روایات میں آتا ہے کہ جس گھر میں قرآن پاک کی تلاوت کی جاتی ہے مال میں برکت، اولاد میں برکت اور خاص رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ آج مردوں میں بھی تلاوت کی کمی ہے اور عورتوں میں بھی تلاوت کی کمی ہے۔

ایک تابعی لکھتے ہیں کہ مدینے کے کنارے میں میرا مکان تھا، حضور اکرم ﷺ کی محبت میں جب آیا تو ہر گھر سے جیسے شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کی آواز ہوتی ہے اس طریقہ سے ہر گھر سے قرآن پاک کی تلاوت کی آواز، درودِ شریف پڑھنے کی آواز، کلمہ شریف پڑھنے کی آواز اور تسبیحات کی آواز آرہی تھی۔ ہر گھر ذاکر ہوتا تھا۔ آج ہمارا گھر قبرستان بنا ہوا ہے تو کیسے گھر میں خیر و برکت ہوگی؟ روایت میں آتا ہے کہ شروع دن میں سورۂ یٰسین شریف پڑھ لینے سے دن بھر کے کاموں میں آسانی اور سہولت ہوتی ہے۔ تو ملازم پیشہ لوگ آسانی چاہتے ہیں یا پریشانی؟ آسانی۔ اور تاجر لوگ آسانی چاہتے ہیں۔ جس سے پوچھو آسانی چاہتے ہیں۔ تو کتنے لوگ سورۂ یٰسین پڑھ رہے ہیں، سورۂ یٰسین شریف پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ حضرت کے ایک رشتہ دار تھے، میں نے انہیں دیکھا ہے، وہ انگریز کے زمانہ میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ فرماتے تھے کہ ہمارے والد صاحب نے ہم کو بارہ سال کی عمر میں سورۂ یٰسین شریف یاد کروایا تھا۔ ۷۰ برس ہوگئے ہم نے ناغہ نہیں کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ان کے شامل حال تھا۔ ورنہ کتنے لوگ حافظ بھی ہیں، عالم بھی ہیں، یاد بھی ہے، کبھی پڑھا کبھی نہیں پڑھا، کبھی سفر میں بھول گئے۔ لیکن وہ کہتے تھے کہ اگر صبح میں بھول گئے تو ۲۴ گھنٹے میں کسی نہ کسی وقت پڑھ لیتے تھے۔ اور یہ بھی اپنی اولادوں کو سمجھاتے تھے کہ اس کا اثر ساری زندگی میں نے پایا، ساری زندگی چین کی گذری، کبھی اپنے افسر کو درخواست نہیں دینا پڑی، حالانکہ ڈپٹی کلکٹر تھے، بلا درخواست دئے ہوئے ان کی ساری ضروریات

اللہ تعالیٰ پوری فرما دیتے تھے۔

اب تک عادت نہیں ہے تو آج سے گھر میں اس کا اہتمام کریں کہ تلاوت چاہے ۳۰ ہی منٹ ہو، تلاوت کرنے سے گھر میں برکت آتی ہے اور اس کا اہتمام کیا جائے۔ اسی طریقہ سے ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی ضرورت ہے، حضور اکرم ﷺ نے مردوں سے یوں کہا کہ تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس کا معاملہ بیوی بچوں کے ساتھ اچھا ہو اور حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں اپنے متعلقین کے ساتھ اچھا ہوں۔

روایات میں آتا ہے کہ اس مرد کو راحت نہیں جس کی بیوی نہ ہو۔ صحابہؓ نے دریافت کیا کہ اگر چہ مرد مالدار ہو، تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر چہ مالدار ہو۔ اسی طریقہ سے آپ ﷺ نے فرمایا اس عورت کو راحت نہیں جس کا شوہر نہ ہو۔ صحابہؓ نے پوچھا عورت اگر چہ مالدار ہو، تو آپ ﷺ نے فرمایا عورت اگر چہ مالدار ہو۔ تو یہ چیزیں جب نہیں ہوتی ہیں تب پتہ چلتا ہے کہ ان کی وجہ سے ہم کو کیا راحت ملتی تھی۔ بہر حال یہ چند باتیں ہو گئیں۔ اب میں اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہم کہیں آئے ہیں، کہیں ہم کو جانا ہے، دنیا کی زندگی بہت مختصر ہے اور حضور اکرم ﷺ نے خبر بھی دے دی کہ:

اکثر اعمار امتی بین ستین و سبعین او کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم.	کہ میری امت کی عمر اکثر ساٹھ اور ستر کے درمیان میں ہوگی۔

کسی کی عمر ۳۰ سال ہو گئی آدھی ہو گئی تو آدھی چلی گئی اور کسی کی ۴۰ سال ہو گئی تو آدھی سے بھی زیادہ چلی گئی۔ سلف صالحین کے اخلاق میں ملتا ہے کہ جب چالیس سال کی عمر ہو جاتی تھی تو بستر لپیٹ کر رکھ دیتے تھے کہ اب بہت سو چکے، اب سفر آخرت کی تیاری کرنا ہے۔ پند نامہ جو کتاب ہے جنہوں نے لکھی ہے بعضوں نے بتایا ہے کہ مولانا رومؒ کے بھی استاذ ہیں، اپنی کتاب میں نصیحت کرتے ہیں کہ:

چوں سفر در پیش داری زاد گیر   عمر خود را سر بسر برباد گیر

سفر سے مراد سفر آخرت لیا ہے، اس سفر کا اسٹیشن کیا ہے قبرستان، اور کس گاڑی سے سفر ہو گا

قبر کی گاڑی سے، اور وہ سفر آسان کیسے ہوگا علم دین سے، اور طئے کیسے ہوگا اعمالِ صالحہ سے۔ اور آگے فرمایا:

عمر خود را سر بسر برباد گیر

مختلف لوگ یہاں آئے ہوئے ہیں، کوئی ۵۰ سال کی عمر کا ہے، کوئی ساٹھ سال کی عمر کا ہے، کسی سے پوچھا جائے کہ ۶۰ سال عمر جو آپ کی گذر گئی ہم کو بتا دیجئے کہاں ہے؟ تو فرماتے ہیں کہ جیسے گذری ہوئی عمر تم کو نظر نہیں آرہی ہے بقیہ عمر بھی ایسے ہی گذر جائے گی اور تم کو پتہ نہیں چلے گا، لہٰذا بقیہ کو بھی ختم تصور کر کے گویا فنا ہوگئی ہے، اب عملِ آخرت میں مشغول ہوجاؤ اور فکرِ آخرت پیدا کرو۔

دین کی حقیقت کیا ہے؟ بیداریٔ قلب انسان ہے، دل بیدار ہوجائے، اس لیے یہ جلسے جلوس ہوتے ہیں تاکہ انسان کے اندر بیداری پیدا اور فکرِ آخرت پیدا ہوجائے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب بچہ سات سال کا ہوجائے تو اس کو نماز کا حکم کرو یعنی اس کو نماز سے مانوس کرو۔ آج کتنے لوگ ہیں جو سات سال کی عمر سے اپنے بچے کو نماز سے مانوس کر رہے ہیں۔ اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ بچہ دس سال کا ہوجائے تو نماز نہ پڑھنے پر اس کی پٹائی کرو، تو کتنے لوگ نماز نہ پڑھنے پر پیٹ رہے ہیں؟ اور کاموں میں تو پٹائی کریں گے نماز کے لیے نہیں۔ یہی حال رہا تو آگے بچہ ۱۵ سال کا ہوجائے گا تو بے نمازی رہے گا۔ پہلے زمانہ میں ۱۰۰ فیصد نمازی ہوتے تھے۔ نماز میں اگر کوئی نہیں پہونچتا تو تین باتیں سمجھی جاتی تھیں۔ (۱) یا تو سفر میں چلا گیا ہے۔ (۲) یا بیما ہوگیا ہے۔ (۳) یا منافق ہوگیا، دین ہی سے پھر گیا ہے۔

ایسے ہی جب بچی سات سال کی ہو تو ماں کو چاہیے کہ جب وضو کرنے بیٹھے تو کبھی کبھی مہینہ میں ۱۵ دن میں ہفتہ میں شفقت کے ساتھ وضو نماز سے سات سال کی عمر ہی سے مانوس کرے۔ تو کتنی مائیں اپنی بیٹی کو مانوس کر رہی ہیں۔ یہ بھی حق ہے، یہ امانت ہے، بیوی بھی امانت ہے، اولاد بھی امانت ہے، ان کو نیک بنانے کی کوشش کرنا۔ نیک تو اللہ تعالیٰ بنائیں گے۔ پہلے زمانے میں لوگ سمجھتے تھے اولاد بگڑے تو ہمارے سے بگڑے گی۔ بنے گی تو ہمارے سے بنے گی۔ اس زمانہ میں بنے گی تو خود بنے گی بگڑے گی تو خود ہی بھگتے گی۔ اولاد تو بھگتے گی ہی ماں باپ کو بھی

بھگتنا پڑے گا۔ ہم لوگ روپیہ پیسہ کو امانت سمجھتے ہیں یہ اولاد بھی امانت ہے۔ بیوی بھی امانت ہے، ان کو نیک بنانے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ جب بچی دس سال کی ہوجائے تو نماز نہ پڑھنے پر اس کو پیٹنا چاہیے۔ تو کتنی مائیں نماز نہ پڑھنے پر پیٹ رہی ہیں۔ آگے جب بچی بڑی عمر کی ہوجائے گی تو شوہر کے یہاں بے نمازی جائے گی۔ پہلے زمانے میں عورتیں مردوں کو حرام کام سے بچنے کی نصیحت کرتی تھیں کہ ہم سیدھا سادا کھا پی کر گذر بسر کرلیں گے، لیکن جہنم میں جلنا منظور نہیں۔ اسی لیے حضور ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! نیکی کو معمولی نہ سمجھنا ہر نیکی میں مغفرت کی تاثیر ہے، اور کسی گناہ کو معمولی نہ سمجھنا ہر گناہ میں عذاب کی تاثیر ہے۔

بچہ ایک مرتبہ جھوٹ بول دیتا تو پہلے زمانے میں مائیں اپنے بچوں اور بچیوں سے کہتیں تھیں کہ تمہارے منھ سے بدبو آرہی ہے۔ اور حدیث میں بھی آتا ہے کہ ایک دفعہ کسی نے جھوٹی گواہی دے دی جھوٹ بول دیا تو ایک میل دور فرشتہ اس کی بدبو سے بھاگتا ہے۔ لیکن جھوٹ بولنے والا اس بدبو کو نہیں پہچان پاتا۔ تو ہمارے حالات سر سے پیر تک بگڑے ہوئے ہیں۔ کن کن باتوں کو کہا جائے؟ بہر حال ہم کو جانا ہے، اُس سفر کی ہم نے کیا تیاری کی ہے؟ دنیا کے سفر کی لوگ تیاری کرتے ہیں، زادِ راہ کا انتظام کرتے ہیں، لیکن وہاں قبر میں نہ بیٹا نہ بیٹی کچھ نہیں۔

ایک کوتاہی اور بھی ہے کہ لوگ اپنی لڑکیوں کو وراثتِ شرعی یعنی ترکہ نہیں دیتے اور دیندار کہلاتے ہیں، خود بھی دیندار سمجھتے ہیں، لیکن لڑکیوں کو حصہ نہیں دیتے۔ ایک شعر میں ایک بزرگ نے نصیحت کی ہے:

جب تجھے مرنا ہے ایک دن بالیقین چھوڑ فکر این و آن کر فکر دین

تو دین کی فکر ہمارے اندر نہیں ہے، اسی لیے یہ جلسے کرائے جاتے ہیں تاکہ فکر دین ہمارے اندر پیدا ہوجائے، فکر آخرت بیدار ہوجائے، ہم سب مسافر آخرت ہیں، ہر وقت موت کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ اب دعا کرلیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت کی فکر اور موت کی تیاری نصیب فرمائے۔ آمین

دس قیمتی نصیحتیں

برائے طلبہ عزیز

نصائح: حضرت قاری امیر حسن صاحبؒ
جمع وترتیب: مولانا محمد عبدالقوی

حضرت قاری صاحبؒ سے متعلق گذشتہ مضامین میں آپ نے جو کچھ پڑھا وہ مضمون نگار کے ذاتی تأثرات تھے، یقیناً اس میں بھی آپ کو بہت کچھ ملا ہوگا، اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرتؒ کے ارشاد فرمودہ قیمتی باتیں بھی ہم ملاحظہ کرلیں، یادرکھیں اور عمل کی کوشش کریں۔ اس سلسلہ میں اس عاجز ہی کے مرتب کردہ تین مضامین جن میں سے ایک مدرّسین کرام کے لیے ہے، ایک طلبۂ کرام کے لیے اور ایک عامۂ مسلمین کے لیے اولاد کی تعلیم وتربیت سے متعلق ہے۔ یہ بہت قیمتی سرمایہ اور حضرت قاری صاحبؒ کا روحانی ترکہ ہے، اس کی بھرپور حفاظت کیجئے، خود فائدہ اٹھایئے، دوسروں کو پہونچایئے۔ ......﴿از مدیر غفرلہٗ﴾......

نحمده ونصلي على رسوله الكريم، اما بعد!

پیارے بچو!

حدیث شریف میں آیا ہے آدمی کے لیے ہر مجلس اس پر وبال اور پکڑ کا سبب ہے۔ سوائے اس مجلس کے جس مجلس میں اللہ کی تعریف اور اس کے حبیب ﷺ پر درود شریف پڑھا گیا ہو۔ **نحمده ونصلي على رسوله الكريم** میں دونوں باتیں آگئیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی حمد بھی ہوگئی اور رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام بھی! اب انشاء اللہ یہ مجلس ہمارے لیے خیر ہی خیر ثابت ہوگی اور وبال نہیں بنے گی۔

دیکھو بچو! تم لوگ یہاں مدرسہ میں علم حاصل کرنے کے لیے آئے ہوئے۔ سرورِ دوعالم ﷺ

نے فرمایا" **من سلک طریقاً یلتمس فیه علما سهل الله له به طریقا الی الجنة** " یعنی جو شخص علمِ دین کے لیے جو کچھ سفر کرتا ہے تو اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ سہل اور آسان فرمادیتے ہیں۔آپ لوگ اپنے گھروں سے نکل کر یہاں آئے ہو۔اس حدیث کے مطابق جنت سے قریب ہوگئے ہو۔ یہ بہت بڑی نعمت ہے۔امام محمدؒ بہت بڑے عالم ہیں،نوسو ننانوے کتابوں کے مصنف ہیں،انتقال کے بعد ان کو کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا اگر تم کو عذاب دینا ہوتا تو تم کو علمِ دین نہ دیا جاتا۔

اس وقت میں آپ لوگوں کے سامنے چند باتیں بیان کرتا ہوں۔

۱) پہلی بات یہ ہے کہ صبح جلدی اٹھا کرو اور سنت کے مطابق اٹھو۔فریدالدین عطارؒ فرماتے ہیں۔

خواب کم کن اولِ روزاے پسر نفس رابد خومیاموزاے پسر

صبح دیر تک سونا اچھی بات نہیں ہے اور بڑی کمزوری ہے،حکیم لقمانؑ جو حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے کے ایک صالح بزرگ گذرے ہیں،اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ بلکہ ایک پوری سورۃ کا نام ہی سورۂ لقمان ہے۔کتابوں میں ان کی بہت سی نصیحتیں منقول ہیں۔ان میں سے ایک نصیحت یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو خطاب کر کے فرمایا بیٹے! مرغ سے بھی عاجز مت بن۔یعنی مرغ تو سویرے اٹھ کر بانگ دے اور تو پڑا سوتا رہ جائے،نماز بھی قضاء ہوجائے تو یہ جانوروں سے بدتر ہوجانا ہے۔اور سنت کے مطابق اٹھنے کا مطلب یہ ہے کہ اٹھنے کے بعد فوراً ۳ دفعہ الحمد للہ کہو پھر کلمہ طیبہ پڑھو۔پھر مسنون دعا پڑھ لو" **الحمد لله الذی احیانا بعد ما اماتنا و الیه النشور** " یا دوسری دعا جو منقول ہے اور جو یاد ہو پڑھ لو۔پھر برتن میں ہاتھ ڈالنے سے قبل تین دفعہ دھولو۔نمازِ فجر تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ ادا کرو۔موقع ہو تو اشراق تک ذکر میں بیٹھے رہو یا تلاوت کرو۔طالبِ علم کے لیے سب سے اچھی مصروفیت اپنے کام میں لگے رہنا ہے یعنی پڑھنے پڑھانے میں۔اسی طرح شام تک ہر کام سنت کے موافق کرو،اس سے علم میں برکت ہوگی اور زندگی نورانی ہوجائے گی۔

۲) دوسری بات یہ ہے کہ اپنے بڑوں کی، اپنے اساتذہ کی دل سے خدمت کرو۔

کیمیا ہے خدمتِ آمرزگار   اپنے دل پہ نقش کرلو جان من

آمرزگار آموختن سے بنا ہے۔ یعنی سکھانے والا تجربہ کار، جس طرح کیمیا کے ذریعہ تانبے کو سونا بنایا جاتا ہے، اسی طرح اپنے اساتذہ کی خدمت آدمی کو قابل ولائق بناتی ہے اور اس کی کمزوریوں کو ختم کرتی ہے۔ اور وہی آدمی کل بڑا بنتا ہے جو آج بڑوں کے سامنے چھوٹا بن کر رہے۔

ہر کہ خود را دید او محروم شد   ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

بزرگوں نے فرمایا ہے: تین جگہوں پر کبر ناجائز ہے۔ ایک ماں باپ کے سامنے۔ اولاد چاہے کچھ بن جائے ماں باپ سے بڑھ کر نہیں ہوسکتی، ان کا مقام بہت نازک اور بہت اونچا ہے۔ ان کے بارے میں بہت احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ دوسرے استاذ کے سامنے۔ شاگرد خواہ شیخ الاسلام ہو جائے، علامہ ہو جائے مگر استاذ کے سامنے بڑا پن اور نخوت جائز نہیں۔

۳) تیسری بات یہ ہے کہ دوستیاں مت کرو۔ تکرار وغیرہ سبق وتعلیم کی ضروری گفتگو و ملاقات کے علاوہ اور تعلقات مناسب نہیں۔ دارالاقامہ میں رہنے والوں کے شہر کے طلباء سے تعلقات تو اور بھی مہلک ہیں۔ اس میں پیسہ خرچ ہوتا ہے، وقت ضائع ہوتا ہے، طرح طرح کے فتنے ہیں۔ اس لیے بلاضرورت دوستی دشمنی نہ کرو بلکہ بلاضرورت بولو ہی مت۔

سب سے بہتر ہے یہی بہتان وغیبت کا علاج   کیجئے نہ ہرگز سنئے دوسروں کا تذکرہ

اس لیے طالبِ علم کو بہت ضروری ہے کہ تعلقات کو محدود کرے اور بقیہ سب وقت تحصیلِ علم میں کتابوں کے سمجھنے میں اور حل کرنے میں لگا دے۔

۴) چوتھی بات یہ ہے کہ مطالعہ کا بہت اہتمام کرو۔ ہمارے استاذ مولانا اسعد اللہ صاحبؒ ناظم مظاہر علوم سہارنپور اس کی بڑی تاکید فرماتے تھے۔ ان کی اس عنوان پر مستقل نظم بھی ہے۔ عربی کے طلباء کے لیے تو بے انتہا ضروری ہے ہی۔ میں تو حفظ وناظرہ کے طلباء سے بھی کہتا ہوں کہ اگلا سبق دیکھ کرلے جایا کریں۔

اس سے بہت سہولت ہوتی ہے۔ تجربہ کر کے دیکھیں پتہ چلے گا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ہے چشم دل کے واسطے کاجل مطالعہ   انسان کو کرتا ہے اکمل مطالعہ

اسعد مطالعہ کو کبھی تم نہ چھوڑنا
کہ کرتا ہے دل کو سجلجل مطالعہ
یہ تجربہ ہے خوب سمجھتے ہیں وہ سبق
جو دیکھتے ہیں غور سے اول مطالعہ

مطالعہ نہیں کرنے والے طلباء خود پہچانے جاتے ہیں۔ جیسے طالب علم بسا اوقات ایسا سوال کرتا ہے جو آگے کی عبارت میں آ ہی رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ مطالعہ نہیں کر کے لایا۔ اسی طرح استاذ سے کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو دریافت کر لینا چاہیے۔ اس میں شرم نہ کرنا چاہیے، ہمارے استاذ فرمایا کرتے تھے'' پیری مریدی اندھیری کوٹھری، لکھائی پڑھائی اجالی کوٹھری'' کیا مطلب؟ مطلب یہ ہے کہ مرید کو چاہیے کہ شیخ کے سامنے اپنے آپ کو مٹائے. چوں و چرا نہ کرے، جو بات شیخ کہے بس عمل کرے۔ مگر طالب علم کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اسے استاذ کے سامنے گم صم نہیں بیٹھنا چاہیے۔ بلکہ غور سے درس کو سمجھے اور جو بات نہ سمجھ میں آئے سوال کرے، جو اشکال ہو پیش کر کے اس کی صفائی کر لے، علم تو اسی طرح آتا ہے۔

۵) پانچویں بات یہ ہے کہ مدرسہ میں جو کچھ تکلیف پیش آئے اسے خوشدلی سے گوارہ کر لینا چاہیے۔ کیوں کہ راہِ علم راہِ مشقت ہے۔ یعنی اس راستہ میں ضرور کچھ نہ کچھ خلافِ مزاج پیش آجاتا ہے۔ ہمارے بزرگوں نے بڑی قربانیوں سے علم حاصل کیا ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمہ اللہ سردیوں میں بستر نہ ہونے کی وجہ سے مسجد کی چٹائی گول لپیٹ لیتے تھے۔ اس پر بھی فرماتے تھے کہ سر اور پیروں کی طرف کھلا رہنے سے سخت سردی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ طالب علم کو مشقتوں سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ بعضے طلباء ہوتے ہیں شیطان کے بہکاوے میں آجاتے ہیں۔ ارے بھئی یہاں سختی بہت ہے۔ کھانا بھی صحیح نہیں ہے، کھانا بھی ٹھیک نہیں ملتا، اور قوانین بھی سخت ہیں، فلاں مدرسہ میں جاویں وہاں سختی نہیں ہے، کھانا بھی اچھا ملتا ہے۔ پھر وہاں گئے وہاں سے بھی بھاگے۔ بس یہاں وہاں پھرتے رہتے ہیں اور علم سے کورے رہتے ہیں۔ اسی لیے کہتا ہوں کہ'' ثم خیر'' کی بیماری نہیں ہونی چاہیے، یہ بیماری علم سے محروم کر کے چھوڑتی ہے۔ دیکھئے آپ نے کہیں ایک پودا لگایا، پھر یہ سوچ کر کہ یہ زمین اچھی نہیں

یہاں کنکر بہت ہیں دوسری جگہ اکھاڑ کر لگایا، پھر وہاں سے یہ کہہ کر کہ یہ زمین سخت بہت ہے، تیسری جگہ لگا دیا۔ اسی طرح بدل بدل کے لگاتے رہیں گے تو وہ پودا ایک دن جل جائے گا۔ اگر ایک ہی جگہ لگا رہتا تو ٹیڑا میڑا جیسا بھی ہو آگے بڑھتا تو رہتا۔ اس لیے کہتا ہوں مشقتوں سے طالبِ علم کو گھبرانا نہیں چاہیے، بھئی دنیا تو نام ہی ہے تکلیفوں کی جگہ کا، کسی کی تمنا اس دنیا میں پوری نہ ہوئی۔ ہر خواہش جہاں پوری ہو جائے اسے جنت کہتے ہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "**وَلَكُمْ فِيهَا مَاتَشْتَهِيْ اَنْفُسُكُمْ**" اور "**فِيهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ**" یعنی جنت میں وہ ہے جو تمہارا جی چاہے۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے رابا کسے کارے نباشد

اس لیے دنیا میں اس کی آرزو کرنا کہ سب کچھ مزاج کے موافق ہو جائے عقلمندی کی بات نہیں ہے۔ اصل میں بات یہ ہے کہ شیطان سب سے زیادہ طالب علموں کا پیچھا کرتا ہے۔ ایک گھنٹہ بازاروں میں لوگوں کو بہکانے میں لگاتا ہوگا تو تئیس گھنٹے مدرسوں، مسجدوں میں محنت کرتا ہوگا۔ کیوں کہ اگر ایک عام آدمی کو بھٹکائے گا تو ایک آدمی ہی بھٹکے گا۔ اور اگر ایک طالب علم کو بھٹکا دے گا تو سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کا نقصان ہوگا۔ اسی وجہ سے حدیث میں ہے: "**فقيه واحد اشد على الشيطان من الف عابد**" یعنی ایک عالم باعمل کو بہکانا شیطان کے لیے ہزاروں عابدوں کو بہکانے سے زیادہ مشکل ہے۔ اس لیے وہ طالبِ علمِ دین کا پیچھا بہت کرتا ہے۔ دل میں ڈالتا ہے کہ یہاں رہنا بہت مشکل ہے، تجھ سے برداشت نہیں ہو سکے گا۔ اس لیے یہاں سے کہیں اور چل۔ یہ اور اس قسم کے طرح طرح کے وساوس وخیالات پیدا کر کے دل برداشتہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لیے اس دشمن سے بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

۶) چھٹی بات یہ ہے کہ نمازوں کا بہت اہتمام کریں۔ نماز تو دین کا ستون ہے، پھر نماز بھی جماعت اور تکبیر اولیٰ کے اہتمام کے ساتھ ہونی چاہیے۔ پہلے لوگ نمازوں کا ایسا اہتمام کرتے تھے کہ چالیس چالیس برس تک تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوتی تھی۔ جماعت کا اہتمام بھی بہت ضروری ہے۔ حضرات صحابہؓ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ہم میں سے مسجد نہ آتا تو ہم سمجھتے تھے کہ یا تو سخت بیمار ہوگا یا منافق ہو گیا ہوگا۔ ورنہ صحت مند اور مقیم رہ کر مسجد نہ آنے کا کیا سوال ہے۔ یعنی نماز اور

جماعت سے اس زمانہ میں اسلام جانا پہچانا جاتا تھا۔حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ اگر سرینوں کے بل گھسٹ کر بھی مسجد پہنچ سکتے تو مسجد ضرور آتے تھے،یعنی ایسی حالت میں بھی گھر میں نماز پڑھ لینے کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔حالانکہ یہ معقول عذر تھا۔ہمارے استاذ حضرت مولانا اسعد صاحبؒ فرماتے تھے۔

اسعد گرہ میں باندھ لے یہ پند سود مند

پابندی نماز باجماعت چھوٹنے نہ پائے!

آج افسوس ہوتا ہے کہ طالب علموں میں نماز کا اہتمام نہیں۔اسی طرح جماعت اور تکبیرِ اولیٰ کی فکر نہیں ہے۔**یجوز لطالب العلم مالا یجوز لغیرہ** کا حیلہ کر کے اپنے لیے سب جائز کر لیا ہے۔نہ معلوم یہ اصول کہاں سے بنالیا ہے۔طالب علم تو کل قوم کا مقتدا بننے والا ہے،آج سے اگر وہ اپنے عمل درست کرنے کی فکر نہیں کرے گا تو بڑا ہو کر کیا کام کرے گا،الٹا بدنام ہوگا۔عوام کی نظروں میں گر جائے گا۔اور لوگوں کے طنز واعتراض کا نشانہ بنے گا۔اور سب سے بڑی بات یہ کہ اللہ رسول کی ناراضگی اور خفگی مول لے گا۔جو سب سے بڑا نقصان ہے،اس لیے اس طرف بھی خاص توجہ کی ضرورت ہے۔

۷) ساتویں بات یہ ہے کہ قرآن مجید صحیح پڑھنے کی فکر۔بہت سے طلباء عربی و فارسی کے ایسے ہوتے ہیں انہیں قرآن مجید صحیح پڑھنا نہیں آتا۔عالم ہو جاتے ہیں مگر تلاوت میں موٹی موٹی غلطیاں کرتے ہیں۔ضروری تجوید تو فرضِ عین ہے۔اس کو سیکھنا یعنی حروف کو ان کے مخارج اور صفاتِ لازمہ کے ساتھ ادا کرنا یہ ضروری تجوید ہے اور تزئین صوت وغیرہ نمبر ۲ پر ہے۔آج کل لوگوں نے گانے کا نام قرأت رکھا ہے،جہاں کھینچنا ہے وہاں بھی کھینچتے ہیں،جہاں نہیں کھینچنا ہے وہاں بھی کھینچ دیتے ہیں۔اسی لیے حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند جو حضرت حکیم الامتؒ کے بھی استاذ تھے،جب تک قرآن نہ سن لیتے فارغ ہونے والوں کی سند پر دستخط نہیں فرماتے تھے۔بہر حال قرآن مجید کی تلاوت کو درست کریں۔بلکہ حفظ کرنے کی کوشش کریں۔بزرگوں نے فرمایا ہے:جو عالم حافظ نہیں وہ آدھا عالم ہے۔

۸) آٹھویں بات یہ ہے کہ تحریر و کتابت بھی درست کرنے کی فکر کرنا چاہیے۔عام طور سے

آج کل طلبہ وعلماء کا املا صحیح نہیں ہوتا۔ عالم ہوجاتے ہیں، حافظ ہوجاتے ہیں، لکھنا صحیح نہیں آتا۔ حالانکہ عربی کا مقولہ ہے ”حسن الخط مفتاح الرزق “اچھی تحریر روزی کی کنجی ہے۔ آج لوگ ڈھونڈتے ہیں کہ کوئی اچھا لکھنے والا ہے۔ ہم اتنا پیسہ دیں گے فلاں مضمون لکھ دیجئے۔ اور یہ بھی ایک مقولہ ہے” العلم صید و الکتابة قید “یعنی علم ایک شکار ہے اور کتابت اس کا جال۔ یعنی لکھنے سے بات محفوظ ہوجاتی ہے۔ حضرت حکیم الامتؒ جیب میں کاغذ قلم رکھتے تھے، صبح تفریح فرمایا کرتے تھے، ایک دن چلتے چلتے رک کر کاغذ قلم نکال کر کچھ لکھ لیا۔ کسی نے پوچھا یا خود ہی فرمایا کہ جب کوئی بات یاد آتی ہے فوراً کاغذ پر لکھ لیتا ہوں ایک تو بات محفوظ ہوجاتی ہے، دوسرے ذہن ہلکا اور فارغ ہوجاتا ہے۔ ورنہ بوجھ رہتا ہے اس کو یاد رکھنے کا۔ الغرض کتابت اور خوش خطی بہت ضروری ہے، خاص طور سے طالب علم کے لیے۔

۹) نویں بات یہ ہے کہ غیر اسلامی لٹریچر کے مطالعہ سے احتیاط کریں۔ بہت سے طلباء ہیں عربی پڑھ رہے ہیں، ایک طرف عالم بن رہے ہیں دوسری طرف چوری چھپے ناولیں اور افسانے دیکھ رہے ہیں۔ یہ تو فحش لٹریچر ہے۔ اس میں عریاں یا نیم عریاں تصویریں ہوتی ہیں۔ اور آج کل انٹرنیٹ کے ذریعہ اس سے بھی کہیں آگے کی فحاشی اور اخلاقی پستی میں مبتلا ہیں۔ یہ کیا ہے؟ ان سے عمر، اخلاق، دین، صحت، اور جوانی سب تباہ و برباد ہوجاتے ہیں۔ یہ تجربہ کی بات ہے، بہت سے واقعات مشاہدہ اور علم میں اس قسم کے طلباء کے آئے ہیں، جن کا اس بری عادت کی نحوست سے علم وعمل تو گیا ہی صحت واخلاق سے بھی انہوں نے ہاتھ دھولیا ہے۔ اس طرح مدرسہ میں رہنے سے کیا حاصل؟ بس جو وقت ملا اپنے کام سے کام۔ مطالعہ کرو تکرار کرو اسباق کو سمجھو اور یاد کرو۔ طبیعت تھک جائے تو تلاوت کرو، اپنے بزرگوں کی کتابیں دیکھو، غرض اپنے آپ کو اچھے کاموں میں مشغول رکھنا چاہیے۔ ورنہ نفس اپنی جانب مشغول کرلیتا ہے۔ حضرت تھانویؒ کے ہاں اصول تھا کہ زیر تربیت جو لوگ ہیں وہ اپنا اپنا کھانا لے کر علیحدہ بیٹھ کر علیحدہ علیحدہ کھالیں۔ حالانکہ اجتماعاً کھانا سنت ہے مگر تحفظِ اوقات کی عادت ڈالنا اور تربیت کرنا مقصود تھا۔ ایسے ہی عادت پڑتی ہے۔ ورنہ جو کھانا پندرہ منٹ میں کھا سکتے ہو وہ فضول گوئی کی وجہ سے آدھا گھنٹہ لے لیتا ہے۔

۱۰) دسویں بات یہ ہے کہ کبھی استاذ کی برائی مت کرو۔ اور نہ ان کے سامنے اپنی بڑائی جتلاؤ،

استاذ خواہ ابتدائی کتابوں کا ہو یا بڑی کتب کا بہرحال استاذ ہے۔ بلکہ ابتدائی کتب پڑھانے والے کا اور بڑا احسان ہے کہ ایسے زمانے میں پڑھایا جب کچھ نہ آتا تھا۔ آج طالب علموں کی حالت یہ ہے کہ جب ابتدائی کتابوں میں پڑھتے ہیں تو اپنے کو چھوٹا اور استاذ کو بڑا سمجھتے ہیں۔ جب درمیانی کتابوں میں آجاتے ہیں تو دونوں کو برابر سمجھنے لگتے ہیں اور جب بڑی کتابوں میں پہونچ جاتے ہیں تو بس پوچھو مت! اپنے آپ کو استاذ سے بھی قابل اور بڑا سمجھ جاتے ہیں۔ یہ بڑا مہلک مرض ہے۔ اس لیے اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ کسی وجہ سے استاذ سے موافقت نہ ہو تو نہ پڑھو مگر برائی مت کرو۔ اور اگر خدانخواستہ ایسی کبھی نوبت آجائے کہ استاذ سے یا مدرسہ سے علیحدگی ہو جائے تو اس کے سبب کی نسبت اپنی طرف کرو۔ یوں کہو کہ مجھے مناسبت نہیں ہوسکی تھی اس لیے چھوڑ دیا۔ استاذ کا نقص نہ بیان کرو، اس سے بڑی بے برکتی علم وعمل میں ہو جاتی ہے اور اگر تنقیص مقصد ہے تب تو بہت ڈرنے کا مقام ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کسی نہر پر وضو فرما رہے تھے، ان سے اوپر کی جانب سے کوئی اور آدمی وضو کر رہا تھا، اس کے دل میں خیال آیا کہ میرا استعمال کیا ہوا پانی بہہ کر نیچے کی طرف جا رہا ہے اور ادھر سے پانی لے کر حضرت وضو فرما رہے ہیں۔ دل میں سوچا یہ بڑی بے ادبی کی بات ہے کہ مجھ جیسے گناہگار کے ماءِ مستعمل سے اتنے بڑے امام وضو فرماویں، مارے شرم کے وہاں سے اٹھ کر اور نیچے کی طرف چلا گیا، ادھر جا کر وضو کرلیا، حالانکہ یہ پانی ماء جاری ہونے کی وجہ سے ماء مستعملہ کے شمار میں نہیں تھا۔ مگر ایک جذبۂ احترام تھا، ایک احساسِ نیک تھا، پھر جب اس شخص کا انتقال ہوگیا تو کسی نے خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے ایک نیک بندے کے احترام کی برکت سے معاف فرما دیا اور اس کی بخشش کردی۔ واقعی ؎

رحمتِ حق بہانہ می جوید

اللہ تعالیٰ کی رحمت کو تو بہانہ چاہیے مغفرت کے لیے مگر یہاں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اہل اللہ کا ادب واحترام کس قدر بڑی چیز ہے۔

"**تلک عشرۃ کاملۃ**" طلباء کرام سے متعلق حضرت کی دونوں مجلسوں کی گفتگو کو احقر نے بفضل اللہ تعالیٰ ان دس نکات میں جمع کردیا ہے۔ حق تعالیٰ اس سے ہر طالبِ علم کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

دس قیمتی نصیحتیں

برائے مدرّسین کرام

نصائح: حضرت قاری امیر حسن صاحبؒ
جمع وترتیب: مولانا محمد عبدالقوی

نحمده و نصلی علی رسوله الکريم اما بعد

قال النبی صلی الله علیه وسلم " خیرکم من تعلم القرآن وعلمه "

او کما قال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم

میرے دوستو! اور بزرگو!

۱) **استحضارِ نعمت:** اللہ پاک نے ہمیں یہ خدمتِ دین کی دولت عطا فرمائی ہے، یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ آج کل لوگ حافظ بن جاتے ہیں عالم بن جاتے ہیں، مگر دین کی خدمت میں نہیں لگتے ہیں۔ مال کمانے کی فکر ہے۔ کوئی سعودیہ جارہا ہے، کوئی امریکہ جارہا ہے، بس سب اسی چکر میں ہیں، ایسے حالات میں جن لوگوں کو مدارس و مکاتب میں معصوم بچوں کی خدمت اور قرآن مجید کی تعلیم وتعلّم، یا حدیث وفقہ کا درس دینے کی توفیق مل گئی ہے تو ان کو بہت بڑی نعمت مل گئی ہے، گویا کہ انہیں حق تعالیٰ نے قبول فرمالیا ہے۔ اس لیے دین کی خدمت لے رہے ہیں۔ آپ حضرات اس توفیق کی قدر کیجئے۔ اور یکسوئی کے ساتھ لگے رہیے، اللہ تعالیٰ کسی کے عمل کو ضائع نہیں فرماتا۔ روزی ہر شخص کی مقرر ہے۔ انشاء اللہ مقدر کامل کررہے گا۔ آدمی چاہے کتنا ہاتھ پیر مارلے، تقدیر سے بڑھ کر نہیں پاسکتا۔

دوستو! اصل میں دین کی حفاظت اور دین کی اشاعت کا کام مل جانا یہ بہت بڑی نعمت ہے،

اس سے ہم لوگ بہت غافل ہیں اور اسی غفلت کی وجہ سے بہت کم شکر کی توفیق ہوتی ہے۔آج ہم کھانے پینے کی چیزوں کو نعمت سمجھتے ہیں، بال بچوں کو نعمت سمجھتے ہیں، جائیداد جاگیر کو نعمت سمجھتے ہیں ،لیکن دین وایمان کا نعمت ہونا بہت کم لوگوں کو معلوم ہے۔ پہلے زمانہ میں لوگ ایک مرتبہ اللہ کا نام لینے کی توفیق کو دنیا و مافیہا سے بہتر سمجھتے تھے۔حدیث شریف میں آیا ہے کہ " **خیر کم من تعلم القرآن وعلمه** "تم سب میں بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔ہاں حسنِ نیت شرط ہے۔

۲) اخلاص: امام اعظمؒ نے پانچ لاکھ احادیث میں سے پانچ حدیثیں منتخب کی ہیں۔ان میں سے ایک "**انما الاعمال بالنیات**" ہے یعنی سارے اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔اس لیے اپنی نیت درست کر لینی چاہیے، اس کام سے صرف اللہ کی رضا جوئی مقصد ہو۔کسی اور غرض سے دین کا کام نہ کریں، اس کو دنیا کمانے اور پیٹ پالنے کا ذریعہ نہ بنائیں۔اخلاص بہت بڑی دولت ہے، اس کی برکت سے اعمال قبول ہوتے ہیں۔ان میں جان آتی ہے، ان میں زبان آجاتی ہے، یہاں تک تو میں نے آپ کو اس کام کی عظمت اور اہمیت کی طرف توجہ دلائی ہے۔اب چند تجربہ اور اصول کی باتیں بتلاتا ہوں، جن سے اس کام میں رہبری ملے گی۔

۳) استغناء ویکسوئی: حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کو آپ کے حیدرآباد سے بلایا گیا تھا، اس وقت حضرت سہارنپور میں تھے، اس وقت وہاں پر یہی کچھ ۲۰/۲۵ روپیہ تنخواہ ہوگی .... یہاں سے ۱۲۰۰/روپیہ ماہانہ، کار اور بنگلہ پیش کیا گیا۔حضرت نے اس وقیع پیش کش کو جو اس زمانہ میں کسی کسی کو مقدر سے ہاتھ آتی تھی مسترد فرما دیا۔اور فرمایا میں اپنے حضرت (یعنی مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ) کو اور اپنے مدرسہ (یعنی مظاہر علوم) کو نہیں چھوڑ سکتا۔

میں ابھی مدینہ منورہ میں تھا۔وہاں کے لوگوں نے کہا ہم اقامہ دلا دیں گے اور فلاں فلاں سہولت بھی دے دیں گے۔مگر میں نے یہی سوچ کر انکار کر دیا کہ حضرت کے ہاں (اشرف المدارس ہردوئی) برسوں سے پڑھاتا ہوں چھٹی لے کر گیا تھا۔اگر وہیں رہ جاؤں تو حضرت (مولانا شاہ ابرار الحق صاحب مدظلہ العالی) کیا سمجھیں گے۔مدرسہ سے کس قدر بے وفائی ہوگی۔

یعنی کتنی انتظامی دشواری پیش آئے گی ۔ یہی سوچ کر میں نے ان حضرات سے معذرت کردی ، ورنہ بتائیے مدینہ منورہ میں رہنے کا موقع مل جائے تو کون نہیں رہنا چاہتا۔لوگ ہزاروں ریال خرچ کررہے ہیں، برسوں سے تمنائیں کررہے ہیں،مگر موقعہ نہیں ملتا۔

۴) **تادیب میں احتیاط:** بچوں کو جس طرح چاہے پٹائی نہیں کرنی چاہیے۔کیوں کہ ایک تو اب قویٰ کمزور ہوگئے ہیں۔بچوں میں تحمل نہیں رہا۔ایک آدھ چھڑی لگادی تو الگ بات ہے،مگران پرغصہ نہیں نکالنا چاہیے۔آج کل یہ مرض عام ہوگیا ہے۔اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا بھی حساب ہوگا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کوایک صاحب نے لکھا کہ میں بچوں کو بہت مارتا ہوں،حضرت نے جواب لکھ دیا ’’قیامت کا انتظار کرو‘‘ کیا مطلب ؟ قیامت کے دن تو حساب دینا پڑے گا۔اس کی نافرمانی اورتمہاری سزا دونوں تولے جائیں گے اورانصاف کیا جائے گا۔اس لیے بہت ڈرنے کا مقام ہے۔

۵) **دعاء کا اہتمام:** اسی طرح طلباء کے لیے اوراپنے لیے گڑگڑا کر دعا مانگنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔یہ بھی سنت ہے۔لوگ اس سنت سے غافل ہیں۔علماء نے لکھا ہے کہ حضوراکرم ﷺ کی ایک سنت ’’ابتہال‘‘ بھی ہے یعنی ’’گڑگڑانا‘‘۔اس سے بہت کام نکلتے ہیں اور کچھ نہیں تو دل کو سکون ہی مل جاتا ہے۔یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔

۶) **توکل اوراعتماد:** اسی طرح صاحبو! مقصد بس دین کو بناؤ۔دنیا کو مقصود نہ بناؤ،جو مقدر کا ہے وہ مل کررہے گا اورجو مقدر نہ ہوگا وہ تم چاہے کچھ کرلو ملنے والا نہیں ہے۔شیخ العرب والعجم حاجی امداداللہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے دین کی مثال پرندہ کی ہے اوردنیا کی مثال جیسے سایہ! پرندہ کو پکڑوگے تو سایہ خودبخود آجائے گا۔اورسایہ کے پیچھے پڑوگے تو نہ وہ ملے گا نہ یہ۔

۷) **معاملات کی صفائی:** ایک بات یہ تھی آپ حضرات سے عرض کرنے کی کہ اپنے معاملات درست رکھیں ۔آپ کے معاملات اگر درست نہ ہوں گے تو آپ دوسروں کو کیا دین سکھائیں گے؟ مگر آج لوگ دین بھی نہیں سمجھتے ،نماز روزہ کررہے ہیں مگر معاملات غیر شرعی ہیں، معاملات خلافِ سنت ہیں۔امام محمدؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے اتنی ساری کتابیں لکھیں مگر تصوف پر کوئی کتاب نہ لکھی ؟ فرمایا میں نے ’’کتاب البیوع‘‘ لکھدی ہے۔جس کے معاملات

درست ہوں وہ سب سے بڑا صوفی ہے۔معاملات کی درستگی سے بڑی برکت ہوتی ہے۔آمدنی اگر صحیح ہوتو تھوڑے میں بھی کام نکل جاتا ہے۔ برکت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ایک ہزار کے دو ہزار ہوجاویں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ تھوڑے میں بھی بہت کام نکل جائے۔

۸) **حکمتِ عملی کا لحاظ:** اسی طرح ایک بات یہ یادرکھنے کی ہے کہ طلباء کو افہام وتفہیم اور نصیحت موقع محل دیکھ کر کریں۔بعض مرتبہ یہ سلیقہ نہ ہونے کی وجہ سے اچھی بات ضائع ہوجاتی ہے اور نفع کے بجائے نقصان ہوجاتا ہے۔نصیحت کو یوں سمجھئے جیسے انجکشن دینا۔بغیر سیکھے انجکشن نہیں دے سکتے اور ہر جگہ بھی نہیں دے سکتے۔بس یہی حال نصیحت کا ہے، کہاں کی جائے اور کہاں نہیں۔ کیا کیا جائے اور کیا نہیں؟ اور کس طرح کی جائے کس طرح نہیں۔ یہ سب سیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

۹) **خدمتِ خلق:** ایک بات یہ ہے کہ ہمیں کبھی کبھی اپنے چھوٹوں اور عوام الناس کی خدمت بھی کر دینی چاہیے۔اس سے ایک طرف ہمارے نفس کا علاج ہوتا ہے دوسری طرف سامنے والا متأثر و مانوس ہوتا ہے۔جب ہماری ذات سے متاثر ہوگا تو ہماری بات کا بھی اثر لے گا۔ حضور ﷺ نے دیکھا کہ ایک یہودی بچہ ہے، اس کے پاس برتن میں پانی بھرا ہوا ہے مگر وزن اس قدر ہے کہ لے جا نہیں سکتا۔آپؐ نے اٹھا کر اس کے گھر پہونچا دیا اور چلے گئے۔جب اس کے باپ نے دیکھا کہ بچہ اتنا بڑا برتن لے آیا تو حیرت سے پوچھا کہ کیسے لے آیا؟ اس نے بتلایا کہ کوئی صاحب پہنچا گئے۔اس کو بڑا اثر ہوا اور سوچا کہ کون آدمی ہے جو اس قدر مخلص اور اخلاق مند ہے، باہر جو آکے دیکھا تو معلوم ہوا کہ نبی ﷺ ہیں۔بس فوراً پکار اٹھا "**ما هذا الا شفقة الانبياء والمرسلين**" یہ تو بس انبیاء ومرسلین ہی کی شفقت ہوسکتی ہے۔

۱۰) **اپنی اصلاح کی فکر:** اسی طرح ہم لوگوں میں اب ایک غفلت عام ہوگئی ہے کہ ذرا لکھنا پڑھنا شروع کیا، امام بن گئے، اور کچھ کام شروع کیا تو بس اپنے آپ کو کامل سمجھ بیٹھے، ایسا نہ چاہئے۔ بلکہ ہر وقت اپنی اصلاح وتربیت کی فکر میں لگے رہیں۔ پہلے زمانہ میں لوگ جب تک کامل نہ ہوجاتے دین کی خدمت میں نہ لگتے تھے۔لیکن آج کل کے حالات ایسے نہیں ہیں۔اس لیے کام کے ساتھ ساتھ اصلاح کی بھی فکر کرتا رہے مایوس نہ ہو۔ایک دن کامیاب ہوجائے گا۔ خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں ۔

نہ چت کر سکے نفس کے پہلوان کو
تو یوں ہاتھ پیر بھی ڈھیلے نہ ڈالے
ارے اس سے تو ہے کشتی عمر بھر کی
کبھی وہ دبالے کبھی تو دبالے

اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ فرصتِ عمر کو غنیمت سمجھ لے اور زندگی پر اعتبار اور بھروسہ نہ کرے۔ نہ معلوم کب یہ نعمت ختم ہو جائے اور کب آدمی عمل سے روک دیا جائے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے حضرت حکیم الامتؒ کو لکھا کہ کوئی خاص نصیحت جو نافع سلوک ہو تحریر فرما دیجئے۔ اسکے جواب میں حضرت نے لکھا کہ اس کا استحضار رہو کہ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ جب کسی کام سے فارغ ہوتے تو فرماتے اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ اسباب ہلاکت سے ہم بچ گئے۔!

بس ان چند باتوں کو یاد رکھ لیجئے۔ اور عمل کرتے رہیے۔ انشاء اللہ دنیا و آخرت کا بھلا ہوگا۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حسن نیت، حسن عمل اور حسنِ خاتمہ کی دولت سے سرفراز فرماویں۔

الحمد للہ اس مجلس کے نصائحِ عالیہ بھی بلا ارادہ ۱۰؍نکات میں مرتب ہو گئے۔ اللہ کرے کہ یہ قیمتی نصائح کو ہم لوگ اپنی زندگیوں میں عملی جامہ پہنا سکیں۔ آمین برحمتک یا ارحم الرحمین

تاثیر صحبتِ اہل اللہ

واقعہ یہ ہے کہ اللہ اور رسول سے اگر ہمارے قلب میں کمالِ محبت پیدا ہو جائے تو ہماری ساری کوتاہیاں اور کمیاں دور ہو جائیں گی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ محبت کیسے حاصل ہوگی؟ تو صاحبو! خوب سمجھ لو کہ تحصیلِ محبت کا ذریعہ اہل محبت کی صحبت ہے۔ صحبت کی تاثیر سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ حدیث میں آیا ہے کہ بکریاں پالنے والا نرم دل ہو جاتا ہے اور اونٹ پالنے والا سنگدل۔ بھلا بتلائیے کہ جب جانوروں کی صحبت کا اثر ہو سکتا ہے تو پھر اہل اللہ اور صالحین کی صحبت کا اثر کیوں نہیں ہو سکتا؟ (ماخوذ از ملفوظات)

اولاد کی تربیت میں والدین کا کردار

خطاب: حضرت قاری امیر حسن صاحبؒ
جمع وترتیب: مولانا محمد عبدالقوی

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم اما بعد قال النبی صلی اللہ علیه وسلم ''الدین النصیحة'' او کما قال النبی صلی اللہ علیه وسلم.

میرے دوستو! اور بزرگو!

دین کی باتیں مسلمانوں میں فکر وشعور کے بیدار کرنے کے لیے سنائی جاتی ہیں۔ ہر وقت نئی نئی باتیں اور نئے نئے مضامین سنانا مقصود نہیں ہوتا۔ البتہ دین کی وہ باتیں جن کی زیادہ ضرورت ہوا نہیں بار بار سنانا چاہئے، بار بار سنانے سے نفع ضرور ہوتا ہے۔

اس وقت بھی چند اہم ضرورت کی باتوں کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے۔ انسان جب دنیا میں آیا ہے تو ایک دن اس کو یہاں سے جانا بھی ضروری ہے، جہاں جانا ہے اور جہاں ہمیشہ کے لیے رہنا ہے، ظاہر ہے کہ وہاں کی فکر زیادہ کرنا ہوگا۔ حضرت رابعہ بصریہؒ جو بہت بزرگ خاتون تھیں، جب عبادت کیا کرتی تھیں تو اپنا کفن اپنے سامنے رکھ لیا کرتی تھیں تاکہ دنیا کی مستی ختم ہوجائے اور سستی دور ہوجائے، اس لیے کہ سست آدمی نہ دنیا میں ترقی کرسکتا ہے اور نہ دین میں اور نہ ہی آخرت کی ترقی حاصل کرسکتا ہے۔ سستی وکاہلی سے دین کا بھی ضرر ہے اور دنیا کا بھی نقصان۔

ماں باپ کو اپنی اولاد کی تربیت میں بھی سستی نہیں کرنی چاہیے، اولاد کی تربیت ماں باپ کی ذمہ داری ہے، تربیت کا وقت کیا ہے؟ ایک عقلمند خاتون لکھتی ہیں کہ اولاد کی تربیت کرنے کے لیے چھ سال کی عمر تک بہترین موقعہ ہے۔ چھ سال بعد بچہ تربیت کے اثر سے نکل جاتا ہے، امام غزالیؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ لیکن آج کل ماں باپ ۵ / ۷ سال تک تو بچے کو کچھ کہنا ہی نہیں چاہتے بلکہ

آج کل اس عمر کے بچے مثلاً اگر جھوٹ بولتے ہیں، گالی دیتے ہیں، یا کسی کو مارتے ہیں، تو ماں باپ خوش ہوتے ہیں، ہنستے ہیں، جس سے بچہ کی جرأت وشرارت اور بڑھ جاتی ہے، جیسے جیسے بچہ بڑا ہوتا جاتا ہے شرارت بھی بڑھتی جاتی ہے، اس لیے یہ بات اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے کہ بچوں کی تربیت ۸۔۱۰ سال کے بعد نہیں کی جاتی، بلکہ بچہ کی پیدائش سے ہی اچھی تربیت اور اچھے اخلاق پیدا کرنے کی کوشش شروع کردینی چاہیے، یہ تو تربیت کا وقت تھا۔ تربیت کا مقام کیا ہے؟ اولاد کی تعلیم وتربیت کے لیے دو مدرسہ ہوتے ہیں ایک مدرسہ ماں کی گود ہے، جہاں اس کی تربیت ہوتی ہے، یہاں معلّمہ مربیہ خود اس کی ماں ہوتی ہے، اور یہی بچہ کا پہلا مدرسہ ہے، اس مدرسہ میں جیسی تربیت ہوگی اسی طرح کے اثرات بعد کی زندگی میں مرتب ہوتے چلے جاتے ہیں، اور دوسرا مدرسہ درودیوار کا مروجہ مدرسہ ہے، جہاں اس کا مربی معلم اور استاد ہوتا ہے۔ حضرت پیرانِ پیر غوثِ اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کی والدہ ان کو بچپن ہی میں خوب نصیحت کیا کرتی تھیں کہ بیٹا جھوٹ کبھی نہ بولو، جھوٹ دل کو سیاہ کرتا ہے، جھوٹ آدمی کو تباہ کردیتا ہے۔ چنانچہ ان کی بہتر تربیت کا ہی نتیجہ ہوا کہ آپ پیرانِ پیر اور غوثِ اعظم بنے، پہلے زمانہ میں ماں باپ بچوں کے ہاتھ میں پیسہ دے کر صدقہ کروادیا کرتے تھے تاکہ ان کے دل سے مال کی محبت نکلے، بخل کی عادت نہ ہو، اور غریبوں کی ہمدردی کا مزاج بنے، اسی طرح بچپن ہی سے نمازوں کا شوق وذوق ان کے اندر پیدا کرتے تھے۔

خود حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب بچہ سات برس کا ہوجائے تو اسے نماز پڑھنے کو کہا جائے اور جب دس برس کا ہوجائے اور نماز نہ پڑھے تو اس کی تنبیہ کی جائے۔ حدیث میں ہے ’’ **واضربوھم اذا بلغوا عشرا** ‘‘ ماؤں کو چاہیے کہ بچوں کی تربیت کی فکر حمل کے زمانہ ہی سے کرتے رہیں۔ میں نے ایک واقعہ کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ ایک صاحب اپنے بچہ کو لے کر بازار گئے، بچہ نے کسی دکان سے کوئی چیز چرالی، ان کو بہت غصہ آیا اور گھر آکر بچہ کی پٹائی کرنے لگے تو بیوی نے کہا کہ اس کی پٹائی مت کیجئے، مجھے سزا دیجئے، کیونکہ قصور اس کا نہیں میرا ہے، شوہر کہنے لگے وہ کیسے؟ کہا جب یہ پیٹ میں تھا تو اس وقت میں نے پڑوس کے گھر کے جھاڑ سے بغیر اجازت بیر توڑ کر کھالیا تھا، جس کے اثر سے بچہ میں بلا اجازت کسی کی چیز لے لینے کی عادت پڑگئی، لہٰذا قصور تو میرا ہے۔ اولاد کو بھی چاہیے کہ ماں باپ کو اللہ تعالیٰ کی نعمت اور رحمت سمجھیں، ان کی خوب

خدمت کریں، آدمی بڑوں کی خدمت کرتے کرتے مخدوم بن جاتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ماں باپ کو شفقت و محبت کی نظر سے دیکھنے پر ایک مقبول نفلی حج کا ثواب ملتا ہے۔ آج کتنے ماں باپ ایسے ہیں کہ ان کو اپنی اولاد سے شکایت ہے کہ اولاد کہنا نہیں مانتی، دوستوں اور یاروں کی بات تو سنتی ہے مگر ماں باپ کی بات نہیں سنتی، دوستوں اور یاروں کے کہے پر تو چلتی ہے، ماں باپ کے کہے پر نہیں چلتی۔ میرے دوستو! صرف شکایتوں سے کیا ہوتا ہے؟ یہ بھی تو دیکھو کہ آپ نے اسی طرح تربیت کی تھی یا نہیں کی تھی؟ اس لیے ماں باپ کو چاہیے کہ وہ اپنی اولاد کی صحیح تربیت کی فکر کریں، اور اولاد کو چاہیے کہ وہ اپنے ماں باپ کو نعمت اور رحمت سمجھ کر ان کی خدمت کو اپنی سعادت جانیں۔

اسی طرح ایک کوتاہی یہ ہے کہ آج گھروں سے قرآن پاک کی تلاوت کا اہتمام ختم ہوتا جارہا ہے۔ پہلے زمانہ میں گھروں سے قرآن پاک کے تلاوت کی آواز آتی تھی، ذکر اللہ کی آواز آتی تھی، درود شریف کی آواز آتی تھی۔ آج ہم مسلمانوں کے گھروں سے گانے باجہ کی آوازیں آرہی ہیں، ٹی وی اور ریڈیو کی آوازیں آرہی ہیں، جب کہ حضور ﷺ نے اپنے آخری وقت میں فرمایا تھا کہ دیکھو میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں ایک کتاب اللہ، دوسرے سنت رسول اللہ، ان کو خوب مضبوطی کے ساتھ تھامے اور پکڑے رہنا۔ آج شہروں میں قرآن پاک سیکھنے کے آسان طریقے اور موقعے موجود ہیں۔ ہر مسلمان کو چاہیے خواہ مرد ہو یا عورت کہ قرآن پاک سیکھے اور قرآن پاک پڑھے، روزانہ تلاوت کا اہتمام کرے چاہے تین ہی منٹ ہو۔ علم حاصل کرنے کی کوئی عمر اور حد نہیں ہے۔ جھولے اور گہوارے سے لے کر موت تک علم سیکھا جاسکتا ہے۔ لہٰذا نوجوان حضرات ہوں یا بڑے بوڑھے حضرات! اگر قرآن پاک پڑھنا نہ سیکھے ہوں تو اب سیکھ لیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میری امت کے ''اشراف'' یعنی اچھے لوگ وہ ہیں جو قرآن پڑھنے والے ہیں۔ دیکھئے قرآن پاک پڑھنے اور پڑھانے والوں کو حضور ﷺ اشرافِ امت فرمارہے ہیں، لیکن آج دنیا ایسے لوگوں کو حقیر سمجھتی ہے۔

دین کو معمولی نہ سمجھیں، بلکہ دین کی کسی ایک بات کو بھی معمولی ہرگز نہ سمجھیں۔ ہمارے دین کی تین خصوصیتیں ہیں: ۱۔ دینِ اسلام اکمل دین ہے یعنی اس سے زیادہ کامل دین مکمل دین کوئی

نہیں ۔۲۔ دینِ اسلام اجمل دین ہے یعنی اس سے زیادہ خوبصورت اور اچھا کوئی دین نہیں ہے ۔ ۳۔ دینِ اسلام اسہل دین ہے ۔یعنی اس سے زیادہ سہولت اور آسانی کسی دین میں نہیں ہے ۔اس لیے دین کی ایک ایک بات کو اور سرکارِ دو عالم ﷺ کی ایک ایک سنت کو معلوم کریں اور اس کی قدر کریں اور اس پر عمل کریں ۔

ایک کوتاہی پردہ کے سلسلہ میں ہورہی ہے ، پردۂ شرعی بہت ضروری ہے ،آج کل لوگ شرعی پردہ نہیں کررہے ہیں ،جس کی وجہ سے مختلف فتنوں میں مبتلاء ہورہے ہیں ۔ ہارون رشید کی بیوی زبیدہ خاتون ایک مرتبہ محل میں بیٹھے بال میں کنگھا کررہی تھیں ، ایک خادم بلا آواز دیئے اندر چلا گیا ، جونہی جھلک پڑی فوراً واپس ہوگیا ۔ زبیدہ اس کی اس بےفکری پر بہت خفا ہوئیں ، خادم کو بلا کر ڈانٹا اور پوچھا کہ تیری نظر میرے بالوں پر تو نہیں پڑی ؟ اس نے کہا ممکن ہے اچٹتی ہوئی کوئی نظر پڑ گئی ہو ، زبیدہ نے قینچی منگا کر بالوں کے جس حصہ پر شبہ ہوسکتا تھا کہ نظر پڑی ہو اس کو کاٹ ڈالا اور کہا کہ '' وہ بال جس پر نامحرم کی نظر پڑے وہ بال نہیں ، وبال جان ہے '' آج کل جہاں دو چار پیسے آگئے یا دو چار حروف علم آگیا تو ہماری ماں بہنیں پردہ سے باہر ہوجاتی ہیں ۔ سر سے اوڑھنی اُڑ جاتی ہے ۔لباس ایسا ناقص ہوجاتا ہے کہ آدھا بدن کے قریب کھلا رہنا لگتا ہے یا ایسا خفیف اور تنگ ہوجاتا ہے کہ اعضاء کی ساخت ظاہر ہونے لگتی ہے ، ایسا لباس شرعاً ناجائز اور حرام ہے ۔

اب میں پیارے رسول ﷺ کی بچوں سے متعلق چند سنتیں بتلاتا ہوں غور سے سنئے اور ان پر عمل کیجئے ۔(۱) حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب شام ہونے لگے تو اپنے چھوٹے بچوں کو گھر کے اندر کرلیا کرو ، باہر نکلنے مت دو ، کیونکہ شام کے وقت میں شیطان کا لشکر پھیلتا ہے ایسے وقت بچے باہر نکلیں گے تو شیطانی برے اثرات سے متاثر ہوجائیں گے ۔آج عورتیں اس حکم اور سنت پر عمل نہیں کرتیں ۔جس کی وجہ سے کیسی کیسی پریشانیاں اٹھاتی ہیں ۔ بچے بیمار ہوجاتے ہیں تو ڈاکٹروں کے پاس لے جاتے ہیں ، دو چار دنوں میں صحت نہیں ہوتی تو عاملوں کے پیچھے دوڑتے ہیں ، وہ حضرات جو کچھ کہہ دیتے ہیں اس کا یقین کرلیتے ہیں ،جس کی وجہ سے بعض دفعہ قطع رحمی تک کی نوبت آجاتی ہے ۔

(۲) اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب عشاء کی نماز پڑھ لو تو اپنے گھر کا دروازہ بند

کرلو، فضول باتیں مت کرو اور جلد سونے کی فکر کرو، ہم میں سے ہر ایک اپنا اپنا جائزہ لے کر دیکھ لے کہ اس سنت پر اس کا کس قدر اہتمام ہورہا ہے؟ اور جب آدمی رات دیر تک جاگے گا تو فضول باتیں کرے گا اور ٹی وی وغیرہ دیکھتا رہے گا تو اس کا اثر صحت اور اعضائے رئیسہ پر ضرور پڑے گا۔

(۳) اسی طرح آپؐ نے فرمایا کہ جب آدمی سونے لگے تو قرآن پاک کی سورتوں کو جس قدر ہو سکے پڑھ لیا کرے، سورۂ ملک پڑھ لیا کرے، معوذتین پڑھ لینے کا اہتمام کرے، سورۂ الم سجدہ پڑھ لیا کرے، اسی طرح صبح کو اٹھ کر سورہ یٰس پڑھ لیا کرے، آج لوگوں نے سورہ یٰس کو مرنے والوں کے ساتھ خاص کردیا ہے، جب کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ سورۂ یٰس میرے امت کے ہر فرد کے دل میں ہو اور یہ کہ جو شخص اس کو شروع دن میں پڑھ لے تو اس کے لیے دن بھر کے کاموں میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔

(۴) اسی طرح ایک سنت یہ ہے کہ باوضو سونے کا اہتمام کرلے، بعضے حضرات آج بھی دن رات باوضو رہنے کا اہتمام کرتے ہیں، لیکن ہم دین کی کتابیں اور حدیث کی کتابیں بھی باوضو نہیں پڑھتے۔ امام بخاریؒ نے ہر حدیث وضو سے لکھی ہے۔ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ اور ان کے ایک ساتھی حدیث پڑھتے وقت یہ معاہدہ کر چکے تھے کہ کوئی حدیث بغیر وضو نہیں پڑھیں گے، ان حضرات نے تمام کتابوں کی تمام حدیثیں باوضو پڑھی ہیں۔ آج باوضو رہنے کا اہتمام بالکل ختم ہوتا جارہا ہے، جس کی وجہ سے اس کی برکات سے محرومی ہورہی ہے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا کہ وضو مومن کے لیے ہتھیار ہے، یعنی جس طرح آدمی ہتھیار کے ذریعہ دشمن کے وار سے بچتا ہے اسی طرح مومن باوضو رہ کر شیطان کے حملوں سے محفوظ رہتا ہے۔

(۵) اسی طرح ایک سنت یہ بھی ہے کہ جب گھر میں داخل ہو تو سلام کرکے داخل ہوں۔ آج کتنے مسلمان اس سنت پر عمل کررہے ہیں؟ سلام کرکے گھر میں داخل ہونے کا اہتمام کرنے سے گھر میں خیر و برکت ہوتی ہے۔ آج خیر و برکت کے لیے دنیا طلبگار ہے۔ لیکن خیر و برکت کے اعمال و اسباب نہیں اختیار کیے جاتے ہیں۔

اب میں دورِ حاضر کے بعض بڑے بڑے گناہ سناتا ہوں جن کو ترک کیے بغیر اور جن سے توبہ کیے بغیر دوزخ سے نجات مشکل ہے۔

باقی صفحہ نمبر ۹۷ پر

عارف باللہ حضرت قاری امیر حسن صاحبؒ کے خلفاءِ کرام

مرتبہ: مولانا مفتی عبدالمغنی مظاہری
ناظم مدرسہ سبیل الفلاح حیدرآباد

یوں تو حضرت اقدس صاحبؒ سے باطنی فیض حاصل کرنے والوں کی تعداد ہزاروں میں نہیں لاکھوں میں ہوسکتی ہے، لیکن جن حضرات کو قاری صاحبؒ نے صحبت یا بیعت کی اجازت دے کر اپنی خلافت سے نوازا ہے اور باطنی نفع رسانی کی صلاحیت پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا ہے ان خلفاءِ کرام کے اسماء گرامی علاقہ وار طالبین کی سہولت کے لیے درج ذیل ہیں، یہ وہ فہرست ہے جو اس عاجز کو حاصل ہوئی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اس کے علاوہ حضرات بھی ہونگے۔

آندھراپردیش

۱	حضرت مولانا سید احسان الدین صاحب	مجاز بیعت	ناظم دارالعلوم نلگنڈہ
۲	حضرت سعید احمد صاحب انجینئر	مجاز بیعت	سعید آباد نزد مدرسہ فیض العلوم حیدرآباد
۳	حضرت حاجی مسعود بن طیب صاحب	مجاز بیعت	یوسف گوڑہ، متصل مسجدِ الٰہی حیدرآباد
۴	حضرت جناب محمد عابد خان صاحب	مجازِ صحبت	ٹولی چوکی حیدرآباد
۵	جناب حاجی جہانگیر صاحب	مجازِ صحبت	بوئن پلی، سکندرآباد حیدرآباد
۶	جناب حاجی عبدالقادر صاحب	مجازِ صحبت	یوسف گوڑہ، حیدرآباد
۷	جناب حاجی ڈاکٹر عبدالبصیر خان صاحب	مجازِ صحبت	حیدرآباد (حال مقیم مکہ مکرمہ)

کرناٹک

۱	جناب پروفیسر مشتاق احمد صاحب (خضر احمد)	مجازِ بیعت	جی، پی پوروال کالج سندگی
۲	جناب مولانا الیاس صاحب	مجازِ صحبت	مدنی حج گروپ گلبرگہ

مدراس (ٹامل ناڈو)

۱	حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب زید مجدہ	مجاز بیعت	سرپرست مدرسہ کاشف الہدی مدراس
۲	جناب مفتی صلاح الدین صاحب	مجاز بیعت	رفیق العلوم آمبور (ٹامل ناڈو)
۳	جناب مولانا ملک محمد ابراہیم صاحب	مجاز بیعت	میل وشارم (ٹامل ناڈو)
۴	جناب مولانا مفتی سعید احمد صاحب	مجاز بیعت	امام مسجد پری میٹ چنئی
۵	جناب مولانا رشید احمد صاحب سعدی	مجاز صحبت	استاذ مدرسہ وصیۃ العلوم پرنام بٹ

ممبئی (مہارشٹرا)

۱	جناب مولانا محمد عمر صاحب	مجاز بیعت	نشان پاڑہ، ممبئی، مہارشٹرا
۲	جناب محمد سہیل صاحب	مجاز صحبت	صفا اسکول، مرغی محلّہ، ممبئی مہارشٹرا

دہلی

۱	حضرت پروفیسر نادر علی صاحب	مجاز بیعت	مرکز نظام الدین دہلی
۲	جناب مولانا ابراہیم صاحب گجراتی	مجاز بیعت	مرکز نظام الدین دہلی

بہار

۱	حضرت مولانا وسیم صاحب زید مجدہ	مجاز بیعت	ناظم مدرسہ بستانِ رحمت سیوان
۲	جناب مولانا علی حسن صاحب	مجاز بیعت	سابق مدرس مدرسہ سراج العلوم سیوان
۳	جناب مولوی قطب الدین صاحب سلّمہٗ	مجاز بیعت	بہار (حال مقیم بمبئی)
۴	جناب سید محمد ریحان صاحب	مجاز صحبت	سیوان (مولانا آزاد روڈ ممبئی)
۵	جناب ڈاکٹر محمد انوار صاحب	مجاز صحبت	گوپال گنج، سیوان (بہار)
۶	جناب ڈاکٹر چاند بابو صاحب	مجاز صحبت	گوپال گنج، سیوان (بہار)
۷	جناب مولوی عبد السلام صاحب	مجاز صحبت	ریٹائرڈ محکمہ ٹیلیفون، سیوان
۸	جناب جنید اصغر صاحب	مجاز صحبت	نزد اسلامیہ کالج، سیوان

اڑیسہ

۱	مولانا محمد فاروق صاحب	مجاز بیعت	جامعہ اشرف العلوم محمود آباد اڑیسہ

۲	جناب عقیل احمد صاحب	مجاز بیعت	شکارپور، بلند شہر
۳	جناب حاجی شمس الرحمٰن صاحب	مجاز بیعت	بھونیشور، اڑیسہ
۴	جناب حاجی تفضل حسین صاحب	مجازِ صحبت	دولت پور، اڑیسہ
۵	جناب حاجی محمد غفران صاحب	مجازِ صحبت	سنگڑہ، اڑیسہ

اتر پردیش

۱	حضرت مولانا احمد علی صاحب زید مجدہ	مجاز بیعت	مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی
۲	جناب مولانا حافظ بلال صاحب	مجاز بیعت	مدرس مدرسہ جامع مسجد سہارنپور
۳	جناب ڈاکٹر محمد شعیب صاحب قریشی	مجاز بیعت	اکبری گیٹ لکھنؤ
۴	جناب مفتی مقصود عالم صاحب	مجاز بیعت	مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ ضلع مظفرنگر
۵	حضرت مولانا جمیل احمد صاحب زید مجدہ	مجازصحبت	مدرس مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی
۶	جناب حافظ محمد مصطفیٰ صاحب	مجازصحبت	مدرس مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی
۷	جناب حاجی بارک اللہ صاحب	مجاز بیعت	گورکھپور ریٹائر ریلوے
۸	جناب مولانا ارشاد احمد صاحبؒ	مجازصحبت	گورینی
۹	جناب حاجی شمشاد حسین صاحب	مجازصحبت	علی گڑھ
۱۰	جناب حاجی معاشر اللہ صاحب	مجازصحبت	گورکھپور
۱۱	جناب حاجی نظام الدین صاحب	مجازصحبت	سندیلہ ہردوئی
۱۲	جناب مفتی محمد صہیب صاحب	مجازصحبت	علی گڑھ
۱۳	حضرت حاجی ڈاکٹر شمشاد احمد صاحب	مجازِ بیعت	جہانگیر آباد ضلع سیتاپور

متفرق

۱	حضرت حاجی محمود شہریار صاحب	مجاز بیعت	بنگلہ دیش
۲	حضرت حاجی محمد یوسف صاحب	مجازصحبت	لندن
۳	حضرت حاجی محمد معروف صاحب	مجازصحبت	جدہ (سعودیہ عربیہ)